عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان

ہفت روزہ ختم نبوت

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

جلد: ۲۹ | ۹ تا ۱۵ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۶ تا ۲۲ دسمبر ۲۰۱۰ء | شمارہ: ۴۷

نواسۂ رسول
حضرت حسینؓ کی شہادت

ناموس رسالت کے قانون میں تبدیلی کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے

مفتی محمد رفیع عثمانی

قانون کو چھیڑا گیا تو ملک میں لاقانونیت پھیل جائے گی

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام
جید علمائے کرام کی پریس کانفرنس

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.com.pk
Email: editorkn@yahoo.com

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
http://www.khatm-e-nubuwwat.com

مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ

امیر و غریب کی ذمہ داری

منیر یوسف، کراچی

س:...... ایک صاحب نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آج کل امیر رشتہ دار غریب رشتہ داروں سے نہیں ملتے تو کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ نہیں ملتے تو کوئی بات نہیں، لیکن آپ ان لوگوں سے ضرور ملیں اگر وہ کہیں مل جائیں تو ان کی عزت کریں، ان کی خیریت معلوم کریں، آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ سارے فرائض غریب رشتہ داروں کے لئے ہیں، امیر رشتہ داروں کے لئے کوئی فرائض نہیں ہیں؟ ایسے لوگوں کے بارے میں اسلام میں کیا حکم ہے؟

ج:...... میرے بھائی! ایسا نہیں ہے بلکہ ہر ایک کی اپنی اپنی ذمہ داری ہے، اگر کوئی امیر رشتہ دار قطع تعلق کرے گا تو وہ گناہگار ہوگا، غریب کے ذمہ جو فرائض ہیں، وہ اس امیر کی نالائقی کی وجہ سے کیونکر ترک کرے، اگر امیر کوئی نالائقی کرے تو کیا غریب بھی وہیں نالائقی اور گناہ کیا کرے؟ پھر اس نالائق اور اس لائق میں کیا فرق رہے گا؟ میں نے غریب کو نالائق بننے سے بچنے کی تلقین کی تھی، کیا یہ بُرا کیا تھا؟ شریعت مطہرہ نے ہر ایک کو الگ الگ فرائض کا مکلف کیا ہے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا، غریب سے امیر کی نالائقی کے بارہ میں نہیں پوچھا جائے گا، بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ آپ نے کیا کیا تھا؟ لہٰذا غریب اپنی ذمہ داری نبھائے کہ قیامت کے دن لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ واللہ اعلم۔

مردوں، عورتوں کا ایک ساتھ کام کرنا

شمائلہ نسیم، کراچی

س:...... کیا مردوں کا عورتوں کے ساتھ نوکری کرنا حرام ہے؟ اور اس سے جو کمائی آتی ہے وہ بھی حرام ہے؟ اور بلا کسی عذر کے انسان وہ نوکری کرے تو کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

ج:...... یہ سوال الٹ ہوگیا، پوچھنا یہ چاہئے تھا کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ نوکری کرنا جائز ہے؟ تاہم عرض ہے کہ اگر کسی ادارہ میں عورتیں ہیں تو مردوں کو وہاں ملازمت کرنا جائز ہے مگر اپنی نظروں کی حفاظت کریں اور ایسی ملازمت کی تنخواہ بھی حلال ہے، البتہ عورتوں کو اس پر سوچنا چاہئے کہ وہ پردہ کا اہتمام کرتی ہیں یا نہیں؟ نیز یہ کہ وہ مجبوری سے نوکری کرتی ہیں اور پردہ کا اہتمام کرتی ہیں تو جائز ہے، ورنہ بہر حال ان کو فکر آخرت کرنا چاہئے۔

س:...... اسی طرح جو بالغ بچے اسکولوں اور کالجوں میں ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں تو ان کے لئے صحیح ہے؟ جب کہ اس سے بہت سے خطرات درپیش ہوتے ہیں جو کہ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں؟

ج:...... ایسے بالغ لڑکوں کو ایسے اسکول و کالج میں نہیں پڑھنا چاہئے جہاں مخلوط تعلیم ہو، اسی طرح بالغ لڑکیوں کو بھی ایسے اسکول و کالج جہاں مخلوط تعلیم ہو احتراز کرنا چاہئے، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے، اس کے خطرناک اور بھیانک نتائج نکلتے ہیں۔

س:...... کچھ لوگوں کا نقطۂ نظر پردہ کے بارے میں یہ ہے کہ جناب اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس گھر میں منہ کھول کر بلوایا ہے تو ہمیں صرف بال وغیرہ ڈھکنے چاہئے اور منہ کھلا رکھنا چاہئے جب کہ میں نے وضاحت بھی کی، ان لوگوں سے کہ سورۂ احزاب اور سورۂ نور میں اس بات کا تفصیلی ذکر آیا ہے، مگر وہ اپنی بات پر اڑے رہے، لہٰذا اس بات کی وضاحت فرمادیں کہ ایسے لوگوں کا کیا حشر ہوگا؟ دنیا میں اور آخرت میں کہ وہ قرآن و سنت کو جھٹلاتے ہیں اور اپنی بات کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں؟

ج:...... حج کے ایام میں منہ کھولنے کی اجازت ہے، مگر لوگوں کو منہ دکھانے کی اجازت نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع میں ہمارے منہ کھلے ہوئے تھے، لیکن جب مردوں سے سامنا ہوتا تو ہم کسی اوٹ سے ہم منہ چھپا لیا کرتی تھیں، اگر غیر مردوں کو منہ دکھانے کی اجازت ہوتی تو اماں جان ایسا کیوں فرماتیں؟

ہفت روزہ
ختمِ نبوۃ
انٹرنیشنل

جلد:۲۹ ۱۵تا۲۸ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۶تا۲۲ دسمبر ۲۰۱۰ء شمارہ:۴۷

مجلس ادارت

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
صاحبزادہ مولانا عزیز احمد
علامہ احمد میاں حمادی
مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی
مولانا قاضی احسان احمد

سرپرست
حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ
حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر مدظلہ

مدیراعلیٰ
مولانا عزیز الرحمن جالندھری

نائب مدیراعلیٰ
مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر
مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

معاون مدیر
عبداللطیف طاہر

قانونی مشیر
حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میؤ ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر
محمد انور رانا

تزئین و آرائش
محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان خان

اس شمارے میں!

جید علمائے کرام کی پریس کانفرنس	۵	
نواسۂ رسول حضرت حسینؓ کی شہادت	۷	مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ
توہین رسالت کا قانون اقلیتوں کے مفاد میں ہے	۱۰	مولانا محمد ازہر مدظلہ
علامہ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ	۱۲	مولانا سید محمد زین العابدین
فلسطین... تاریخ کے آئینہ میں!	۱۳	مولانا زبید احمد نعمانی
جھوٹے مدعی نبوت اور عقیدہ ختم نبوت (۲)	۱۶	ضبط و ترتیب محمد ہشام
مذہبی آزادی اور رواداری (۲)	۱۹	ریحان اختر
کرسمس یا "بڑا دن"	۲۲	ابواسحاق
خبروں پر ایک نظر	۲۶	ادارہ

بیاد

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
حضرت مولانا سید انور حسین نفیس الحسینیؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ
شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ
شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

زر تعاون بیرون ملک
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۵ ڈالر، یورپ، افریقہ: ۷۵ ڈالر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطی، ایشیائی ممالک: ۶۵ ڈالر

زر تعاون اندرون ملک
فی شمارہ ۱۰ روپے، ششماہی: ۲۲۵ روپے، سالانہ: ۴۵۰ روپے
چیک - ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت اکاؤنٹ نمبر 363-8 اور اکاؤنٹ نمبر 927-2 الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ (کوڈ: 0159) کراچی پاکستان ارسال کریں۔

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷ فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:32780337, 34234476 Fax:32780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶، ۰۶۱-۴۵۸۳۴۸۶
Hazori Bagh Road Multan
Ph:061-4583486, 061-4783486

لندن آفس:
35,Stockwell Green
London, SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمن جالندھری مطبع: القادر پرنٹنگ پریس طابع: سید شاہد حسین مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

درسِ حدیث

صحابہ کرامؓ کے زُہد کا بیان

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

آپس کے اختلافات کی نحوست

’’حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو درجے میں روزہ، نماز اور صدقے سے بھی افضل ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: ضرور ارشاد فرمایئے! فرمایا: وہ آپس کے معاملات کی دُرستی ہے، کیونکہ آپس کا بگاڑ مونڈنے والی چیز ہے۔ اور ایک روایت میں یہ مزید اضافہ ہے کہ: میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈنے والی ہے، بلکہ وہ دین کو مونڈنے والی اور اس کا صفایا کرنے والی ہے۔‘‘ (ترمذی ج:۲ ص:۷۳)

’’آپس کے معاملات کی دُرستی‘‘ سے مراد یہ ہے کہ آپس کے ان تمام اُمور و معاملات کو دُرست رکھا جائے جن سے آپس کی ناچاقی راہ پاتی ہے، تاکہ کسی کو کسی سے شکایت نہ ہو، اور اسلامی معاشرے میں اُلفت و محبت اور اتفاق و اتحاد کی فضا قائم رہے۔

’’آپس کی دُرستی‘‘ کو روزہ، نماز اور صدقے سے افضل قرار دینے کی ... واللہ اعلم ... دو وجہیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ نماز، روزہ اور صدقہ انفرادی اعمال ہیں، جن کا اجر و ثواب کرنے والے کی ذات تک محدود ہے، بخلاف اس کے ’’صلاح ذات البین‘‘ (آپس کے معاملات کی دُرستی) کا عمل پورے معاشرے سے تعلق رکھتا ہے، اگر تمام مسلمان اس عمل کا اہتمام کریں تو ان کے درمیان اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا ہوگی اور ان کا شیرازہ مجتمع رہے گا، اور اگر وہ آپس کے معاملات کی دُرستی کا اہتمام نہیں کریں گے تو ان کے درمیان باہمی بغض و عناد کی فضا پیدا ہوگی۔ ایک دُوسرے کو نیچا دِکھانے کی کوشش ہوگی، ایک دُوسرے کے خلاف انتقامی جذبات پروان چڑھیں گے، اور ایک دُوسرے کی تحقیر و تذلیل محبوب مشغلہ بن جائے گا، جس کے نتیجے میں اُمت کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا۔ پس ’’آپس کی دُرستی‘‘ کا عمل صرف ایک فرد کی ذات تک محدود نہیں، بلکہ پورا معاشرہ اور معاشرے کا ایک ایک فرد اس سے متأثر ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ وہ نیکی، نماز روزے سے بدرجہا بڑھ کر ہوگی جس کی برکت سے اُمت کا شیرازہ مجتمع رہے اور اُمت ’’وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا‘‘ کا منظر پیش کرنے لگے۔

دُوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ نماز روزہ اور صدقہ و خیرات بھی نفس کو شاق گزرتے ہیں، اور ان کے کرنے میں بھی نفس کے ساتھ مجاہدے کی نوبت آتی ہے، لیکن مجاہدے کا اصل میدان عالمِ تعلقات ہے، جہاں قدم قدم پر ناگواریوں کا سامنا ہوتا ہے، اور قدم قدم پر نفس کی ’’انا‘‘ مجروح ہوتی ہے، یہی وہ میدان ہے جہاں انسانی اخلاق کے جوہر کھلتے ہیں، یہی وہ امتحان گاہ ہے جس میں آدمی کے صبر و شکر، حلم و وقار، صبر و تحمل، خشیت و تواضع، یقین و توکل وغیرہ کی جانچ ہوتی ہے، یہی وہ جنگل ہے جہاں کبر و نخوت، عُجب و خودبینی، حسد و کینہ وغیرہ کے درندے منہ کھولے کھڑے ہیں، ہر موقع پر تمام اہلِ حقوق کے حقوق ادا کرنا اور ان میں حدودِ شرعیہ کی نزاکتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھنا ایک ایسا مجاہدہ ہے جو انفرادی اعمال (نماز، روزہ وغیرہ) میں نہیں۔ خدا شاہد ہے کہ ساری رات نفلیں پڑھنا اور ہمیشہ روزے رکھنا آسان، لیکن مجاہدے کی اس بھٹی سے جسے باہمی تعلقات کا میدان کہتے ہیں، کندن بن کر نکلنا مشکل اور نہایت مشکل! اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر اسے نماز اور روزے سے افضل درجے کی چیز فرمایا تو بالکل بجا ارشاد فرمایا:

’’حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم سے پہلی اُمتوں کی بیماری آہستہ آہستہ تم میں سرایت کرگئی، یعنی حسد اور کینہ، اور یہ چیز مونڈنے والی (اور صفایا کرنے والی) ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتی ہے، نہیں! دین کو مونڈ دیتی (اور اس کا صفایا کردیتی) ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! تم جنت میں داخل نہ ہوگے یہاں تک کہ ایمان لاؤ، اور (کامل طور پر) مؤمن نہیں ہوگے یہاں تک کہ ایک دُوسرے سے محبت کرو، کیا تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس (باہمی اُلفت و محبت) کو تمہارے لئے ثابت کرے؟ آپس میں (کثرت سے) سلام پھیلایا کرو۔‘‘ (ترمذی ج:۲ ص:۷۳)

اس حدیث پاک میں متعدّد مضامین ارشاد ہوئے ہیں، ان میں سے ایک تو وہی مضمون ہے جو اس سے قبل کی دو احادیث میں آچکا ہے، یعنی آپس کے بغض و کینہ کا دین کے لئے تباہ کن ہونا۔

دُوسرا مضمون یہ ہے کہ حسد اور بغض اُمتِ سابقہ کی بیماری ہے، جس کے جراثیم آہستہ آہستہ اس اُمت میں بھی سرایت کرتے چلے گئے، جن خوش قسمت حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہی، ان کے درمیان اُلفت و محبت کی وہ فضاء پیدا ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

’’فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا‘‘ (آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ:... ’’پس ہوگئے تم اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام سے بھائی بھائی۔‘‘

ان میں حسد و رقابت، بغض و عناد اور کینہ و عداوت کا کوئی جرثومہ نہیں تھا، بلکہ وہ سب کے سب اہلِ جنت کی طرح ’’یک قلب‘‘ تھے، لیکن دُنیا کی زہریلی فضاء کے سبب آہستہ آہستہ اُمت میں حسد و کینہ کے جراثیم پیدا ہونے شروع ہوئے، اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حسد و کینہ کی دیمک نے جسدِ ملت کو چاٹ لیا، اور اُمت تسبیح شکستہ کے موتیوں کی طرح منتشر ہوکر رہ گئی، یہی وہ حقیقت ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشادِ گرامی میں متنبہ فرمایا ہے، اس چھوٹے سے فقرے میں نہ صرف اُمت کے عروج و زوال کی پوری داستان سمودی ہے، بلکہ مرض کی تشخیص کے ساتھ اس کے علاج کی طرف بھی رہنمائی فرمائی ہے۔

تیسرا مضمون وہ ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کے ساتھ بیان فرمایا ہے، یعنی جنت میں داخل ہونا موقوف ہے ایمان پر، اور ایمان کامل موقوف ہے باہمی اُلفت و محبت پر، اور باہمی اُلفت و محبت کا ذریعہ آپس میں کثرت سے سلام کا پھیلانا ہے۔ ☆☆

دار یہ

تحفظ ناموس رسالت سے متعلق

جید علمائے کرام کی پریس کانفرنس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام ۵ر دسمبر ۲۰۱۰ء بروز اتوار بعد نماز ظہر دفتر ختم نبوت پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی میں شہر بھر کے جید علمائے کرام اور دینی مدارس کے سربراہان کی ایک پریس کانفرنس منعقد کی گئی، جس میں توہین رسالت ایکٹ اور ملعونہ آسیہ کیس سے متعلق غور وخوض کیا گیا اور ۱۵ر دسمبر ۲۰۱۰ء کو اسلام آباد میں تمام دینی ومذہبی جماعتوں کا کنونشن منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا، اس پریس کانفرنس کی مختصر روئیداد پیش خدمت ہے:

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے دفتر میں تحفظ ناموس رسالت کے قانون پر غور وخوض کے لئے ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس کی صدارت مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر مرکزیہ مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے فرمائی۔ اجلاس میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا سید سلیمان یوسف بنوری، سنی وحدت کونسل کے راہنماؤں مولانا محمد اسعد تھانوی، مفتی محمد نعیم، قاری محمد عثمان، مولانا عبدالکریم عابد، مولانا اقبال اللہ، مولانا اورنگزیب فاروقی، مولانا غلام رسول، مفتی محمد عثمان یارخان، مفتی ابوہریرہ محی الدین، مولانا مشتاق احمد عباسی، مفتی خالد محمود، مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ، مولانا محمد طلحہ رحمانی، مولانا محمد یحییٰ لدھیانوی، حافظ محمد سعید لدھیانوی، مولانا محمد طیب لدھیانوی، مجلس احرار کے ابوعثمان، دارالعلوم صفہ کے مولانا حق نواز ودیگر نے شرکت فرمائی۔

اجلاس میں اس بات پر تشویش کا اظہار کیا گیا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلامی قوانین اور دستوری نکات میں تبدیلی کے لئے سیکولر طبقہ غیر ملکی امداد کی بنیاد پر این جی اوز کے ذریعہ ختم کرانے اور تبدیل کرانے کی کوشش کررہا ہے۔ اس سلسلہ میں گزشتہ اسمبلی نے قرآن کریم میں بیان کردہ حدود کے قوانین میں تبدیلی کی ہے اور اب توہین رسالت کے قانون کو ختم کرنے یا تبدیل کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

یہ اجلاس متفقہ طور پر حکومت کو متنبہ کرتا ہے کہ اسلامیان پاکستان توہین رسالت کے قانون کو تبدیل کرنے کی کسی بھی کوشش کی شدید مزاحمت کریں گے اور کراچی سے چترال تک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ناموس رسالت میں تبدیلی کی ان کوششوں کو ناکام بنادیں گے۔ اگر حکومت وقت نے اس معاملہ کی نزاکت کا احساس نہ کیا اور ناموس رسالت کے سلسلہ میں مسلمانوں کے جذبات کا صحیح اندازہ نہ لگایا تو مرکز اور صوبوں میں موجودہ حکومت خس وخاشاک کی طرح بہہ جائے گی۔

اجلاس میں شریک علماء کرام نے عوام سے اپیل کی کہ بلا لحاظ مسلک اور قومیت توہین رسالت کے قانون کے تحفظ کے لئے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں اور ہر سطح پر اس قانون میں تبدیلی کی کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لاکر عشق نبویؐ (جو ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے) کا ثبوت دیں۔

اجلاس میں کہا گیا کہ توہین رسالت کا قانون اقلیتوں کے خلاف کوئی امتیازی قانون نہیں ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی مسلمان، اس جرم کا ارتکاب کرے تو اس کے لئے بھی یہی قانون ہے اور اس کے لئے بھی یہی سزا ہے، اس لئے یہ تاثر دینا کہ یہ قانون اقلیتوں کے خلاف امتیازی قانون ہے بالکل غلط ہے، بلکہ اس

قانون میں تو اقلیتوں کا تحفظ ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ قانون ختم ہو جاتا ہے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ کوئی مسلمان آقائے نامدارؐ کی توہین برداشت نہیں کر سکتا، اگر یہ قانون نہ ہو تو پھر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیں گے اور ہر ایسے ملعون کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیں گے، جس کی وجہ سے کسی کو اپنی صفائی کا موقع نہیں ملے گا اور اس سے ملک میں انارکی اور انتشار پھیلے گا۔ اس لئے حکومت کے ذمہ داروں کو ہم متنبہ کرتے ہیں کہ وہ اس قانون کو ختم یا غیر موثر بنا کر ملک کے لئے مسائل پیدا نہ کریں۔ پہلے ہی یہ ملک انتشار کا شکار ہے۔

اجلاس میں کہا گیا کہ جب بھی توہین رسالت کا کوئی کیس سامنے آتا ہے تو پورے ملک میں اس کو بہانہ بنا کر ایک طوفان کھڑا کر دیا جاتا ہے اور پورے زور وشور سے کہا جاتا ہے کہ یہ قانون ختم کیا جائے اور دلیل دی جاتی ہے کہ اس قانون کا غلط استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر قانون ختم کرنے کے لئے یہ دلیل مان لی جائے تو پھر ہر قانون کو ختم کر دیا جائے، کیونکہ کون سا ایسا قانون ہے جسے غلط استعمال نہ کیا جاتا ہو؟

اس موقع پر اکابر علمائے کرام نے جو کچھ فرمایا اس کی روشنی میں اخبارات کو مندرجہ ذیل خبر ریلیز کی گئی:

کراچی (پ ر) اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو اقلیتوں کو تحفظ اور امن کا پیغام دیتا ہے۔ قانون تحفظ ناموس رسالت کی بقا مسلمانوں اور اقلیتوں کے لئے خیر کی چیز ہے۔ قانون ناموس رسالت میں تبدیلی کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور تحفظ ناموس رسالت کی حمایت میں ۱۵ ردسمبر ۲۰۱۰ء کو اسلام آباد میں کنونشن ہوگا، جس مین دینی ومذہبی جماعتوں کو مدعو کیا جائے گا اور اس کنونشن میں آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا جائے گا۔ ان خیالات کا اظہار جید علما کرام اور دینی مدارس کے سربراہان اور نمائندگان نے ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں کیا۔ دفتر ختم نبوت پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ میں پُر ہجوم کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مفتی اعظم پاکستان وصدر جامعہ دار العلوم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے کہا کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس کی بنیاد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر استوار ہے۔ اسلام جہاں اقلیتوں کو جان ومال کے تحفظ اور امن کا پیغام دیتا ہے، وہاں وہ اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ اقلیتیں یا کوئی بھی قرآن کریم یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دریدہ دہنی کرے یا اسلامی شعائر کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کر کے اربوں مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچائے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر مرکزیہ ورئیس جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر نے کہا کہ قانون تحفظ ناموس رسالت کی بقا مسلمانوں اور اقلیتوں کے لئے خیر کی چیز ہے۔ اس سے معاشرے میں امن وسکون، چین اور عزت وآبرو کی فضا برقرار رہے گی۔ اس کو ختم کرنا، کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کا خون اور گستاخان رسول کو کھلی چھوٹ دینے کے مترادف ہوگا جس سے معاشرہ میں بدامنی اور لاقانونیت پھیلے گی اور کسی گستاخ رسول کی جان ومال محفوظ نہیں رہے گی، اس لئے کہ ہر غیرت مند مسلمان پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کا دفاع خود کرے گا۔ اس لئے دانشمندی اور دوراندیشی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس قانون کو نہ چھیڑا جائے۔ مولانا اسعد تھانوی نے کہا کہ قانون تحفظ ناموس رسالت درحقیقت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت وعظمت کا مکمل دفاع کرتا ہے۔ انگریزی استعمار کے عہد میں گستاخ رسول کی سزا کا قانون نہیں تھا، قیامِ پاکستان کے بعد وہی تعزیرات پاکستان میں جاری کی گئیں۔ وفاقی شرعی عدالت نے گستاخ رسول کے لئے سزائے موت مقرر کی۔ قرآن وسنت پر مبنی توہین رسالت ایکٹ اسلام کے بدترین دشمنوں کے دلوں میں کانٹے کی طرح چبھتا ہے۔ مجلس کے ڈپٹی سیکریٹری مولانا محمد اکرم طوفانی نے کہا کہ انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کے تحفظ کے قانون کو ''کالا قانون'' کہنے والے گورنر پنجاب کا محاسبہ کیا جائے اور اسے عہدے سے برطرف کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ علماء کرام کو جاہل کہنے والا خود اپنی جہالت کا اقرار کر رہا ہے۔ جمعیت علمائے اسلام کے راہنما مولانا عبد الکریم عابد نے کہا کہ جمعیت علمائے اسلام تمام دینی جماعتوں کے شانہ بشانہ توہین رسالت قانون کے لئے جدوجہد کرے گی۔ قاری شیر افضل نے کہا کہ جب قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر ۲۹۵-سی کو آئین کا حصہ بنایا تو اس وقت اقلیتوں کے پارلیمانی لیڈر کرنل ہربرٹ نے اپنی جماعت کے ساتھ اس قانون کی بھرپور تائید کی تھی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

نواسۂ رسول

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

مولانا منظور احمد نعمانی

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما:

آپ کا اسم شریف حسن اور کنیت ابومحمد ہے۔ حسن نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے تجویز فرمایا تھا۔ آپؓ کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور والدہ جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ حضرت علیؓ کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ حضرت علیؓ کی کنیت ابوالحسن آپ ہی کے نام کی وجہ سے ہے۔

ولادت:

رمضان ۳ ہجری میں آپؓ پیدا ہوئے' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ولادت کی خبر پا کر حضرت علیؓ کے گھر تشریف لے گئے' پیارے نواسے کو گود میں لیا' خود ان کے کان میں اذان دی اور عقیقہ کرایا اور بالوں کی ہم وزن چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا' اور اس طرح براہ راست ان کے کان میں پہلی آواز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پہنچی اور جو بات پہلی بار کان میں پہنچی وہ بھی اذان تھی' جو دین کی بھرپور دعوت ہے۔ بچپن کا بڑا حصہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کے سایہ عاطفت میں گزرا ہے۔ آپ کی وفات کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر ۸ سال کی تھی۔

خلافت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ کی جامع مسجد میں کوفہ اور قرب و جوار کے مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت ہی میں ان کے اور حضرت معاویہؓ کے مابین شدید اختلاف تھے' ابھی حضرت حسنؓ کی بیعت خلافت کو چھ یا سات ماہ ہی گزرے تھے کہ قتل و قتال سے بچنے کے لئے حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی اور بار خلافت سے حضرت معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی "ابنی ھذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین الفئتین من المسلمین" یعنی میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔ صحیح ثابت ہو گئی۔ اس مصالحت کے وقت حضرت حسنؓ نے جو بھی شرائط صلح حضرت معاویہؓ کے سامنے رکھے حضرت معاویہؓ نے ان کو قبول فرمایا اور مدت العمر ان کا لحاظ رکھا۔ ان میں وافر مقدار میں مال کی شرط بھی تھی جو ان کے آرام و راحت کے ساتھ گزر اوقات کے لئے خوب کافی تھا' لیکن وہ اس مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ اپنے موزے بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیئے اور صرف جوتے روک لئے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت حسنؓ نے یکسوئی کی زندگی اختیار فرمائی اور عبادت و ریاضت و دین کی تبلیغ کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا۔ آپ نے کئی شادیاں کیں اور ان سے دس یا اس سے بھی زیادہ بچے پیدا ہوئے۔

وفات:

۵۰ یا ۵۱ ہجری میں کسی نے آپ کو زہر دے دیا اور یہی وجہ شہادت بن گیا۔ مدینہ کے امیر سعید بن العاصؓ نے نماز پڑھائی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حلیہ:

آپ شکل و صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے۔ ایک موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت حسنؓ کو اپنی گود میں اٹھالیا اور حضرت علیؓ کے سامنے فرمایا کہ حسن تمہارے مشابہ نہیں ہیں یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہیں۔ حضرت علیؓ سنتے رہے اور ہنستے رہے۔ امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ کا یہی قول نقل کیا ہے۔

فضائل:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل بڑی حد تک مشترک ہیں' اس لئے ان کے مناقب و فضائل بھی حضرت حسینؓ کے تذکرہ کے بعد ہی ذکر کئے جائیں گے' محدثین میں امام بخاری' امام مسلم اور امام ترمذی رحمہم اللہ وغیرہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے کہ دونوں کے فضائل و مناقب ایک ساتھ ہی ذکر کئے ہیں۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے نواسے اور حضرت علی و حضرت فاطمہ زہرا کے چھوٹے صاحبزادے حضرت حسینؓ کی ولادت شعبان ۴ ہجری میں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ان کا نام حسین رکھا' ان کو شہد چٹایا' ان کے منہ میں اپنی زبان مبارک داخل کر کے لعاب مبارک عطا فرمایا اور ان کا عقیقہ کرنے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ

کرنے کا حکم دیا۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کے عقیقہ کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی۔ اپنے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مشابہ تھے اور آپ کو ان سے بھی غیر معمولی محبت اور تعلق تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ان کی عمر صرف چھ یا سات سال تھی' لیکن یہ چھ' سات سال آپ کی صحبت اور شفقت و محبت میں گزرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے خاص لطف و کرم اور محبت کا برتاؤ کیا۔ حضرت عمرؓ کے آخری زمانہ خلافت میں آپ نے جہاد میں شرکت شروع کی ہے اور پھر بہت سے معرکوں میں شریک رہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب باغیوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا تھا تو حضرت علیؓ نے اپنے دونوں بیٹوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو ان کے گھر کی حفاظت کے لئے مقرر کردیا تھا' حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ نے جب حضرت معاویہؓ سے مصالحت کرکے خلافت سے دستبرداری کے ارادہ کا اظہار کیا تو حضرت حسینؓ نے بھائی کی رائے سے اختلاف کیا' لیکن بڑے بھائی کے احترام میں ان کے فیصلہ کو تسلیم کرلیا۔ البتہ جب حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ نے یزید کی خلافت کی بیعت لی تو حضرت حسینؓ اس کو کسی طرح برداشت نہ کرسکے اور یزید کے خلیفہ بن جانے کے بعد اپنے بہت سے مخلصین کی رائے و مشورہ کو نظر انداز کرکے جہاد کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے کوفہ کے لئے تشریف لے چلے' ابھی مقام کربلا ہی تک پہنچے تھے کہ واقعہ کربلا پیش آیا اور آپ وہاں شہید کردیئے گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

تاریخ ۱۰ محرم ۶۱ ہجری ہے' اس وقت عمر شریف تقریباً ۵۵ سال تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل حضرت فاطمہ زہراؓ ہی سے چلی ہے اور ان کی اولاد میں حضرات حسنین اور ان کی دو بہنیں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہم اجمعین ہی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بقائے نسل کا ذریعہ بنے ہیں۔

حضرات حسنینؓ کے فضائل و مناقب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور آپ کے صحابی ہونے کا شرف کیا کم ہے پھر آپ کو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے بہت محبت بھی تھی۔ شفقت و محبت کا یہ عالم تھا کہ یہ دونوں بھائی بچپن میں حالت نماز میں آپ کی کمر مبارک پر چڑھ جاتے' کبھی دونوں ٹانگوں کے بیچ میں سے گزرتے رہتے اور آپ نماز میں بھی ان کا خیال کرتے' جب تک وہ کمر پر چڑھے رہتے' آپ سجدہ سے سر نہ اٹھاتے۔ آپ اکثر انہیں گود میں لیتے' کبھی کندھے پر سوار کرتے ان کا بوسہ لیتے انہیں سونگھتے اور فرماتے: "انکم لمن ریحان اللہ" تم اللہ کی عطا کردہ خوشبو ہو۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت اقرع ابن حابس رضی اللہ عنہ نے عرض کردیا: اے اللہ کے رسولؐ! میرے تو دس بیٹے ہیں لیکن میں نے آج تک کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ آپ نے فرمایا: "انہ من لا یرحم لا یرحم" جو رحم نہیں کرتا' اس پر بھی منجانب اللہ رحم نہیں کیا جاتا۔ آیت تطہیر کے نزول کے بعد آپ نے حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کو اپنی ردائے مبارک (چادر مبارک) میں داخل فرما کر اللہ سے عرض کیا:

"اللھم ھولاء اھل بیتی
فاذھب عنھم الرجس وطھرھم
تطھیرا" (باب مناقب اہل بیت ترمذی شریف)

ترجمہ: "اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں' ان سے گندگی کو دور فرمادیجئے اور پاک و صاف کردیجئے۔"

صحیح بخاری میں حضرت عدی بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ کو اپنے کندھے پر سوار کئے ہوئے تھے اور یوں دعا کررہے تھے: "اللھم انی احبہ' فاحبہ" (بخاری و مسلم) (اے اللہ! یہ مجھے محبوب ہے' آپ بھی اسے اپنا محبوب بنالیجئے)۔

امام بخاری نے ہی حضرات حسنینؓ کے مناقب میں حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ان سے کسی عراقی نے مسئلہ دریافت کیا کہ محرم اگر مکھی مار دے تو کیا کفارہ ہے؟ حضرت ابن عمرؓ نے بڑی ناگواری سے جواب دیا کہ اہل عراق مکھی کے قتل کا مسئلہ پوچھنے آتے ہیں اور نواسۂ رسولؐ (حضرت حسینؓ) کو قتل کردیا' حالانکہ آپؐ نے اپنے دونوں نواسوں کے بارے میں فرمایا تھا: "ھما ریحانتای من الدنیا" (یہ دونوں میرے لئے دنیا کی خوشبو ہیں)۔ (صحیح بخاری)

امام ترمذیؒ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کی حدیث ذکر کی ہے کہ میں کسی ضرورت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ گھر کے باہر اس حال میں تشریف لائے کہ آپؐ دونوں کوکھوں پر (یعنی گود میں) کچھ رکھے ہوئے تھے اور چادر اوڑھے ہوئے تھے میں جب اپنے کام سے فارغ ہوگیا تو عرض کیا یہ کیا ہے؟ آپؐ نے چادر ہٹادی' میں نے دیکھا کہ ایک جانب حسنؓ اور دوسری جانب حسینؓ ہیں اور فرمایا:

"ھذان ابنای وابنا ابنتی
اللھم انی احبھما فاحبھما واحب
من من یحبھما" (ترمذی شریف)

ترجمہ: "اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں' آپ بھی ان سے محبت فرمایئے اور جو ان سے محبت کرے اس کو بھی اپنا محبوب بنالیجئے۔"

"اللّٰھم انی احبھما فاحبھما"

ترجمہ:"اے اللہ! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں آپ بھی ان کو اپنا محبوب بنالیجئے۔"

دعائیہ کلمات صحیح سندوں سے حدیث کی متعدد کتابوں میں مروی ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ آپؐ کے یہ دونوں نواسے اللہ کے بھی محبوب اور اللہ کے رسول کے بھی محبوب اور ان دونوں سے محبت رکھنے والے بھی اللہ اور اس کے رسول کے محبوب ہیں۔ ایک بار ایسا ہوا کہ آپؐ خطبہ دے رہے تھے، دونوں نواسے آگئے آپ نے خطبہ روک کر ان دونوں کو اٹھالیا اور اپنے پاس بٹھایا پھر باقی خطبہ پورا کیا۔

امام ترمذی نے حضرت یعلیٰ بن مرہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حسین منی وانا من حسین

احب اللہ من احب حسینا حسین

سبط من الاسباط۔" (جامع ترمذی)

ترجمہ:"حسین میرے ہیں اور میں حسین کا، جو حسین سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے، حسین میرے ایک نواسے ہیں۔"

حسین منی انا من حسین کے کلمات انتہائی محبت، اپنائیت اور قلبی تعلق کے اظہار کے لئے ہیں، اس کے بعد وہی دعائیہ کلمات ہیں، جن کے متعلق عرض کیا کہ یہ الفاظ متعدد روایات میں مذکور ہیں، اس مضمون کی کئی روایات امام ترمذی نے مناقب الحسن والحسین کے عنوان کے تحت ذکر کی ہیں۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کی والدہ کو سیدۃ نساء اھل الجنۃ (جامع ترمذی) اور دونوں بھائیوں کو سید اشباب اھل الجنۃ (جامع ترمذی) فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام خصوصاً حضرات شیخین (حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما) کا معاملہ بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ بہت ہی لطف وکرم کا رہا، ابھی حضرت حسنؓ کے تذکرہ میں گزرا کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو گود میں اٹھالیا تھا بلکہ بعض روایات میں تو کندھے پر بٹھانے کا ذکر ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں دونوں بھائیوں کا وظیفہ اہل بدر کے وظائف کے بقدر پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کیا اور اس کی وجہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قرابت بیان کی حالانکہ یہ دونوں حضرات ان کے دور خلافت کے آخر میں بالکل نوجوان ہی تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کا واقعہ ہے کہ وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رسول اللہؐ کے منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت حسینؓ آئے اور حضرت عمرؓ کو مخاطب کرکے کہا: میرے باپ (نانا جان) کے منبر سے اترو اور اپنے والد کے منبر پر جاکر خطبہ دو۔ حضرت عمرؓ نے کہا: میرے باپ کا تو کوئی بھی منبر نہیں ہے یہ کہا اور ان کو اپنے پاس منبر پر بٹھالیا اور بہت اکرام اور لطف ومحبت کا معاملہ کیا۔ انہیں حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں یمن سے کچھ حلے (چادروں کے جوڑے) آئے آپ نے وہ صحابہ کرامؓ کے لڑکوں میں تقسیم کردیئے اور حضرات حسنینؓ کے لئے ان سے بہتر حلے منگوائے اور ان دونوں بھائیوں کو دیئے اور فرمایا اب میرا دل خوش ہوا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء)

یہ دونوں بھائی اگرچہ کثیر الروایت نہیں لیکن پھر بھی براہ راست رسول ﷺ اور اپنے والدین سے احادیث رسول اللہ ﷺ نقل کرتے ہیں۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دونوں بھائی بہت ہی عبادت گزار تھے دونوں نے بار بار مدینہ سے مکہ تک پیدل سفر کرکے حج کئے ہیں۔ اللہ کے راستہ میں کثرت سے مال خرچ کرتے تھے، جو دو سخا ماں باپ اور نانا جان سے وراثت میں ملی تھی۔ رضی اللہ عنہما وارضاھما۔ ☆☆

قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کا انجام

حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے قاتلوں کا انجام بھی بڑا عبرتناک ہوا۔ حضرت حسینؓ کے مقام اور مرتبے سے کون سا مسلمان ہے جو ناواقف ہوگا، وہ صحابیت کے شرف کے حامل تھے، وہ نواسہ رسولؐ تھے، وہ ابن بتولؓ تھے، وہ حیدر کرارؓ کے فرزند تھے، ان کا زہد وتقویٰ مثالی تھا، وہ صورت وسیرت میں اپنے نانا سے بڑی مشابہت رکھتے تھے، مگر ظالموں کو نہ جانے کیا ہوگیا تھا کہ انہوں نے سب کچھ فراموش کردیا، خونی اور مذہبی رشتوں کا بھی پاس نہ رکھا اور خاندان نبوت کے گل ولالہ کو ظلم کی چکی میں پیس کر رکھ دیا، لیکن ان میں سے کوئی بھی ظلم کے انجام بد سے نہ بچ سکا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قاتلوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچا جو کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا نہ ہوا ہو، بعض اندھے ہوگئے، بعض خوفناک بیماریوں میں مبتلا ہوگئے، بعض پاگل اور دیوانے ہوگئے، بعض کو اذیتیں دے کر قتل کردیا گیا۔ جب عبدالملک بن مروان کے زمانے میں مختار بن ابی عبید ثقفی نے کوفہ پر قبضہ کرلیا تو اس نے اپنا مشن ہی یہ بنالیا تھا کہ وہ کربلا میں ستم ڈھانے والوں کی ٹوہ میں لگا رہتا تھا اور انہیں چن چن کر اپنی خونی تلوار کا نشانہ بناتا تھا، اس کے سامنے جب ایسے لوگوں کو لایا جاتا تو وہ ان میں سے کسی کے ہاتھ کٹوا دیتا، کسی کو تیروں سے مروا دیتا اور کسی کو زندہ جلا دیتا۔

(اقتباس ندائے منبر ومحراب از مولانا محمد اسلم شیخوپوری)

انسداد توہین رسالت کا قانون

اقلیتوں کے مفاد میں ہے!

توہین رسالت کے قانون کو ختم کرنے کی تحریک کے پیچھے مغرب کی ایک گہری سازش کارفرما ہے۔ مغرب اپنی گھناؤنی ذہنیت کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو متنازع بنانا چاہتا ہے تاکہ مسلمانوں کے قلب و ذہن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام ختم ہوجائے، کیونکہ مغرب کا خیال ہے کہ جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے امتیوں کے مابین محبت وعشق کا تعلق ختم نہیں ہوگا، مسلمانوں کو کمزور نہیں کیا جاسکتا۔ مغرب کی اسی ذہنیت کو علامہ اقبال مرحوم نے بیان کیا ہے:

یہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

شاتم رسول کے لئے قتل کی سزا پر پوری امت کا اتفاق ہے، اس کے ثبوت کے لئے کتاب وسنت میں اس قدر دلائل موجود ہیں کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اسی موضوع پر ۶۰۰ صفحات کی کتاب تالیف فرمائی۔ صرف ایک آیت اور ایک حدیث کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہل ایمان کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔'' (الاحزاب:۶)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک میری ذات اسے اپنے ماں، باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو۔''

(بخاری، باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم)

سوال یہ ہے کہ وہ کیسا مومن ہوگا جو اپنی آل اولاد، ماں باپ، بیوی اور بیٹی کی عزت اور مال و ملکیت پر قربان ہوجانے کے لئے تو تیار ہو لیکن

مولانا محمد ازہر مدظلہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تضحیک و اہانت پر خاموش رہے۔

بقول ڈاکٹر پروفیسر محسن عثمان ندوی:

''دور جدید میں جب کہ ناموس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کے لئے تیغ مسلمانوں کے قبضے سے نکل چکی ہے، حکومتیں کمزور ہوچکی ہیں، دنیا کی بڑی طاقتوں کی اطاعت گزار بن گئی ہیں، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ واحد پناہ گاہ ہے جس سے دین کی حفاظت کا کام لیا جاسکتا ہے۔ عشق ایک دولت سرمدی ہے، ایک رطل گراں ہے، ایک انقلاب انگیز اور قوت آفرین جذبہ ہے جو انسان کو زلزلہ بردوش بناتا ہے اور طوفانوں کے مقابلے میں ثابت قدم رکھتا ہے، عزم اور قوت عمل پیدا کرتا ہے، قربانیوں کا حوصلہ بخشتا ہے، گمانوں کے لشکر کے مقابلے میں یقین کا ثبات عطا کرتا ہے۔''

شاتم رسول کی سزا موت ہونے کے بارے میں کسی کا ابہام نہیں ہے، یہ ایسا سنگین جرم ہے کہ موت سے بڑھ کر کوئی سزا ہوتی تو اس کا دیا جانا بھی بالکل صائب ہوتا۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ جب کسریٰ شاہ فارس نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ چاک کیا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ حاضر ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تفصیل سے آگاہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''کسریٰ کی حکومت بھی پارہ پارہ ہوگی۔''

چنانچہ اس گستاخ رسول کو اسی رات نہ صرف اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کردیا، بلکہ ارشاد رسول کے مطابق اس کی سلطنت بھی پارہ پارہ ہوگئی اور ''ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ'' (کسریٰ ہلاک ہوگا اور پھر کوئی نیا کسریٰ جنم نہیں لے گا) کی نبوی پیشگوئی سچ ثابت ہوئی۔

ایک مسلمان ملک میں شاتم رسول کی سزا قانون وقواعد پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اولی الامر یعنی حکومت وقت کی طرف سے نافذ ہونی چاہئے اور حکومت کو اس مسئلے میں کسی مصلحت یا لیت ولعل سے کام نہیں لینا چاہئے۔ اس کا سب سے مثبت پہلو یہ ہے کہ عدالت تحقیق وتفتیش اور انصاف کے تمام

تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے سزا پر عمل درآمد کروائے گی۔ لیکن اگر حکمران اپنی ذاتی یا اجتماعی کمزوریوں، مفادات یا اقتدار متزلزل ہو جانے کے خوف سے اس سزا پر عمل درآمد سے گریزاں ہوں تو معاملہ عام لوگوں کی عدالت میں چلا جائے گا، چنانچہ اس مسئلے میں عام مسلمانوں کا اشتعال میں آ جانا اور احتجاج کرنا، ایک غیرت مندانہ اور قابل فہم ردعمل ہے۔ ماضی میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جب دشمنان اسلام نے سازشوں کے ذریعے توہین رسالت کا ارتکاب کیا تو عشاق رسول نے تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حرمت رسول پر اپنی جان قربان کردی، شاتم رسول کی جان لے لی اور اپنی جان دے دی۔

برصغیر میں انگریزی دور میں لاہور میں غازی علم دین شہید نے راجپال کو، کراچی میں غازی عبدالقیوم شہید نے شردھانند کو اور دہلی میں غازی عبدالرشید نے ایک شاتم کو واصل جہنم کیا۔ غازی علم دین شہید کے اس ایمان افروز اقدام کو علامہ اقبال نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا: ''ہم تو باتیں ہی بناتے رہتے ہیں لیکن علم دین بازی لے گیا۔''

ناموس رسالت کے مسئلے میں مسلمان کس قدر حساس ہیں، اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ پاکستان میں شاتمین رحمت مسیح اور منظور مسیح کو نچلی عدالت سے پھانسی کی سزا کے بعد اعلیٰ عدالت سے ضمانت پر رہا کرنے کے ساتھ ہی راتوں رات حکومتی اقدامات کے ذریعے ناروے بھیجا گیا۔ تاہم ضمانت پر رہا کرنے والے ہائیکورٹ کے جج کو اس کی ریٹائرمنٹ کے بعد غازی احمد شیر خان نے قتل کر دیا۔ ڈنمارک میں ۲۰۰۶ء میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کے بعد خاکے بنانے والا گھر سمیت جل مرا اور یہ خاکے شائع کرنے والے جرمنی کے اخبار کے ایڈیٹر کو ۲۰۰۶ء میں پاکستانی شہری عامر چیمہ شہید نے جہنم واصل کر دیا۔ ۱۹۹۵ء میں حکومت نے ۲۹۵۔ سی کی پھانسی کی سزا تبدیل کر کے دس سال قید کا بل منظور کیا لیکن اسمبلی میں پیش ہونے سے پہلے علماء کی کال پر اس کے خلاف ۲۷ مئی ۱۹۹۵ء کو عشاق رسول نے ملک گیر فقید المثال ہڑتال کی، جس پر حکومت نے ترمیم کا ارادہ ترک کر دیا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ اگر حکمرانوں نے امریکا اور مغرب کو خوش کرنے کے لئے توہین رسالت ایکٹ کو منسوخ کیا یا اس میں ترمیم کی تو لوگ توہین رسالت کے مجرموں کو خود سزائیں دینا شروع کر دیں گے جو نہ حکومت کے لئے باعث خیر ہوگا، نہ ان لوگوں کے لئے جن پر توہین رسالت کا الزام عائد کیا گیا ہو۔ ہمارے نزدیک آصف زرداری ہوں یا شہباز بھٹی، گستاخان رسول کی سزا کو کم یا کالعدم قرار دلانے کے خواہشمند اقلیتوں کے حقیقی خیر خواہ نہیں ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ اسلام کراچی، ۲۴ نومبر ۲۰۱۰ء)

تحفظ ناموس رسالت قوانین کو چھیڑنا آگ اور خون سے کھیلنے کے مترادف ہے: امیر مرکزیہ مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ

ملتان (نمائندہ خصوصی) عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ نے کہا کہ تحفظ ناموس رسالت قوانین کو چھیڑنا آگ اور خون سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ حکمران امریکی ایجنڈے کی تکمیل کے لئے تمام مسلمانوں کے ایمانوں کو داؤ پر لگا رہے ہیں۔ ہم اتحاد و یگانگت اور پوری جرأت ایمانی سے بیرونی گماشتوں کو اسلامی دفعات کے خلاف خطرناک کھیل نہیں کھیلنے دیں گے۔ قانون توہین رسالت کے تحفظ کے لئے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملک بھر میں تحفظ ناموس رسالت کانفرنسیں، سیمینارز اور تربیتی ورکشاپس منعقد کرے گی۔ وہ یہاں دفتر مرکزیہ میں مبلغین اور جماعتی کارکنوں کے اجلاس سے خطاب کر رہے تھے۔ اس موقع پر شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا، مفتی محمد ظفر اقبال، مولانا محمد نواز، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا قاضی احسان احمد، مولانا محمد نذر رحمانی، مولانا مفتی محمد راشد مدنی، مولانا عزیز الرحمن ثانی، مولانا محمد اسحاق ساقی، مولانا عبدالحکیم نعمانی، مولانا عبدالستار حیدری، مولانا محمد حسین ناصر، مولانا عبدالرزاق مجاہد، مولانا غلام مصطفیٰ، مولانا محمد علی صدیقی، مولانا غلام حسین، مولانا عبدالستار گورمانی، مولانا تونسوی عبدالستار، مولانا فقیر اللہ اختر، مولانا زاہد وسیم، مولانا تجمل حسین، مولانا عبدالنعیم رحمانی، مولانا عبدالرشید سیال، مولانا قاضی عبدالخالق، مولانا خبیب، مولانا محمد یونس، مولانا محمد قاسم، مولانا محمد اقبال اور مولانا محمد یوسف نقشبندی کے علاوہ متعدد مبلغین اور کارکن موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ تمام مبلغین اپنے اپنے حلقوں کے ضلعی ہیڈکوارٹرز میں ختم نبوت کنونشن اور ناموس رسالت کانفرنسوں کا انعقاد یقینی بنائیں اور تمام مکاتب فکر کے علماء، مشائخ عظام اور تمام دینی جماعتوں کے نمائندوں کو مدعو کریں اور پریس کلبوں کے باہر احتجاجی پروگراموں کا انعقاد کریں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے دفتر مرکزیہ کی طرف سے ناموس رسالت قوانین کے تحفظ کے لئے ہزاروں کی تعداد میں اشتہارات اور پمفلٹ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جو ملک بھر میں بطور احتجاج تقسیم کئے جائیں گے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا: میں یوں تو تمام جماعتوں اور ان کے قائدین کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے احترام کرتا ہوں۔ لیکن میرا عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے علاوہ کسی اور جماعت سے تعلق نہیں۔ اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ قانون توہین رسالت پر مکمل عمل درآمد کرایا جائے اور اس کو متنازعہ بنانے والی لابیوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔ امتناع قادیانیت آرڈیننس پر مکمل عمل درآمد کرایا جائے۔ قادیانی اوقاف سرکاری تحویل میں لئے جائیں اور قادیانیوں کو کلمہ طیبہ اور اسلامی شعائر کے استعمال سے روکا جائے۔

مولانا علامہ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ

حیات وخدمات

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید، جامعہ دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی پاکستان کے فاضل، جامعہ اشرفیہ لاہور اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے متعلم، وفاقی شرعی عدالت کے جج، اسٹیٹ بینک کے شریعہ ایڈوائزری بورڈ کے چیئرمین، عالمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے سابق صدر، سابق وفاقی وزیر مذہبی امور، بالغ نظر محقق، بہترین صاحب قلم، مختلف زبانوں میں تدریس و خطابت کے شہسوار، عالمی شہرت یافتہ شخصیت، علمی رسوخ کے حامل، وطن عزیز کے مایہ ناز عالم دین حضرت اقدس مولانا علامہ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ ۱۶؍شوال المکرم ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۶؍ستمبر ۲۰۱۰ء بروز اتوار بعد نماز فجر ۶۰ سال کی عمر میں راہیٔ عالم آخرت ہوگئے۔

علامہ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کا نسبی تعلق کاندھلہ کے ممتاز علمی خاندان سے تھا، آپ کے والد محترم بزرگوں کے صحبت یافتہ متدین وتبع سنت بزرگ تھے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے درس نظامی کی ابتدائی تعلیم جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں حاصل کی، پھر آپ کے والد محترم اسلام آباد منتقل ہوگئے تو آپ نے لاہور جاکر جامعہ اشرفیہ میں داخلہ لے لیا اور آخر میں جامعہ دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار، راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان میں درس نظامی کی تکمیل فرمائی اور شیخ القرآن حضرت اقدس مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ سے خصوصی طور پر تلمذ کا شرف حاصل فرمایا، درس نظامی کی تکمیل کے بعد ڈاکٹر صاحبؒ نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کے مراحل طے کر کے اعلیٰ سندات حاصل کیں۔

ڈاکٹر صاحب بفضلہٖ تعالیٰ اسلامی وعصری علوم میں زبردست استعداد کے حامل تھے، انہوں نے حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کی زیرنگرانی درس نظامی کی تکمیل کی تھی، یہی وجہ تھی کہ سترہ سال کی عمر سے ہی ڈاکٹر صاحب نے تدریس کا آغاز فرمالیا تھا، ڈاکٹر صاحبؒ کو شرعی وعصری دونوں طرح کے علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی، لیکن جدید عصری فنون وافکار سے

مولانا سیّد محمد زین العابدین

وافر آگاہی کے باوجود آپ میں تجدد یا کسی فکری زیغ کا کوئی شائبہ نہیں تھا اور بظاہر یہ خاندانی اور دینی مدارس کی تعلیم وحریت کا ثمرہ ہی تھا کہ آپ دینی تصلب اور علمی رسوخ کے حامل تھے ان سب چیزوں کے باوجود ان کی کسی ادا میں ڈھونڈ کر بھی اپنے علم یا خدمت پر ناز یا فخر کی کوئی پرچھائیں تلاش نہیں کی جاسکتیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ ایک سادہ متواضع، منکسر المزاج اور ہنس مکھ انسان تھے، رمضان المبارک میں ہر سال اہتمام سے تراویح میں قرآن کریم سناتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب حق کی ترجمانی کرنے والے انسان تھے۔

عالمی کانفرنسوں میں غیر مسلموں کے سامنے آپ دین اسلام کی ترجمانی، معتقدات اسلام کی حقانیت، اسلامی احکام وتعلیمات کے دفاع کے لئے پیش پیش رہے۔ ڈاکٹر صاحبؒ معاند خیالات و نظریات اور زیغ وضلال کے فتنوں کا تعاقب کرنے والے مرد مجاہد تھے، انہوں نے پاکستان کے آئینی و قانونی مسائل میں بھرپور راہنمائی دی، کیپ ٹاؤن (ساؤتھ افریقہ) کی غیر مسلم عدالت میں قادیانیوں نے مقدمہ کیا، اس کیس کی پیروی کے لئے علما وکلاء حضرات کا جو وفد وہاں گیا، اس میں شامل ہوکر ڈاکٹر صاحبؒ نے بھی مثالی خدمات انجام دیں اور ملت اسلامیہ کے موقف کو سرخرو کرتے ہوئے اسے پوری دنیا کے غیر ممالک کی عدالتوں کے لئے مثال بنادیا۔

ڈاکٹر صاحبؒ نے قرآن، حدیث، سیرت، فقہ وقانون، معیشت وتجارت اور دیگر علوم وفنون پر ۲۵ سے زائد کتابیں تصنیف کیں ہیں، آپ کی تصانیف اہل علم اور نئی نسل کے لئے قیمتی تحفہ ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ڈاکٹر صاحبؒ کے ساتھ رضا ورضوان کا معاملہ فرمائیں۔

☆☆......☆☆

گستاخ رسول کو معاف کرنے کا حق!

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حیات طیبہ میں یہ حق حاصل تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرنے والے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاف فرمادیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کو معاف کرنے کا حق حاصل نہیں۔‘‘

(الصارم المسلول ص:۱۹۵، از امام ابن تیمیہؒ)

فلسطین... تاریخ کے آئینہ میں

مولانا زید احمد نعمانی

وہ ارض مقدسہ جسے انبیاء کرام کا مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے، جس کے اردگرد برکت ہی برکت کا نزول ہے، جہاں سے پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم روح القدس کے ہمراہ سفر معراج کے لئے پابرکاب ہوئے، جس دھرتی پر سید الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیوں کی امامت کرا کے امام الانبیاء کا لقب پایا، جی ہاں وہی پرعظمت و پرشوکت زیتون کے درختوں سے آراستہ و پیراستہ سرسبز و شاداب بقعہ ارضی، جہاں اسلام کی عظمت رفتہ اور جنت گم گشتہ کا نشان قبلہ اوّل کی صورت میں موجود ہے، جس کے فاتح اوّل فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے، جس کے درودیوار نے ایوبی کی تکبیر سنی تھی، جہاں خیر کا نور پھیلانے والوں اور شر کی تاریکی میں اضافہ کرنے والوں کے درمیان آخری مگر عظیم معرکہ بپا ہونے کا میدان سج چکا ہے، آج طاغوتی قوتوں کے زیرنگیں و قبضہ ہے۔ "مغضوبین"، "ضالین" کے زیرسایہ و انتظام گزشتہ چھ عشروں سے مسلمانان فلسطین کا جانی، مالی اور اقتصادی استحصال میں مصروف عمل ہیں۔

"بھٹکی مادیت" نے اپنے طرز فکر و سوچ اور بوالہوی کا راگ اس طور پر الاپا ہے کہ غیر تو غیر "اپنے" بھی اس کی گردش اور بھنور میں غوطہ زن ہیں، فکر معاش، تعیش پسندی اور اپنی شکم سیری کی زنجیروں میں ایسے جکڑے ہیں کہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کو ہی بھلا بیٹھے، جس میں آپ نے مسلمانوں کی اجتماعیت کی تشبیہ ایک جسم سے دی ہے، بدن کے ایک عضو کی تکلیف و الم پورے وجود میں سرایت کرتی اور محسوس کی جاتی ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے، عالم اسلام کے اس رستے ہوئے ناسور پر کوئی اہنگر پرن، کوئی وزیر و مشیر اور کوئی صاحب منصب و جاہ امت کی منتشر سوچ کو مجتمع، منظم اور مربوط نہیں کرتا؟ آیئے اسی چبھتے سوال کے جواب کے تناظر میں "بقعہ نور" کی قدیم تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں جو شاید ہمارے "خوابیدہ" دلوں کو بیدار کرنے میں قوت عمل مہیا کر جائے۔

محل وقوع کے اعتبار سے فلسطین براعظم ایشیا کے مغرب میں بحر متوسط کے جنوبی کنارے پر واقع ہے، اس علاقے کو آج کل مشرق وسطی بھی کہا جاتا ہے، شمال میں لبنان اور جنوب میں خلیج عقبہ واقع ہے، جنوب میں مصر اور مشرق میں شام اور اردن سے اس کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں، جبکہ مغرب میں بحر متوسط کا طویل ساحل ہے، فلسطین کا رقبہ ضفہ اور غزہ سمیت ۲۷ ہزار کلومیٹر پر مشتمل ہے۔

فلسطین کے طبعی جغرافیائی علاقوں میں فلسطین کا طویل ساحل جو ناقورہ سے لے کر رفح تک جنوب میں پھیلا ہوا ہے سرفہرست ہے۔ جس کا عرض ۱۶ سے ۱۸ کلومیٹر تک ہے، اس ساحل کے مشہور شہروں میں طولکرم، خان یونس، رملہ، عکا، یفا، یافا اور غزہ ہیں۔ اسرائیل نے اپنا دارالحکومت بھی یافا کے شمال میں بنایا ہے، جبکہ پہاڑی سلسلوں میں نابلس، کرمل، خلیل اور القدس کے پہاڑی علاقے مشہور ہیں۔ واضح رہے کہ خلیل پہاڑ کے دامن میں خلیل شہر آباد ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں مدفون ہیں۔ علاوہ ازیں قدس کے پہاڑوں میں سب سے اونچا پہاڑ جبل طور ہے، جس میں بیت المقدس کا علاقہ واقع ہے، مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ بھی اسی شہر کی زینت رونق ہیں۔ میدانی علاقوں میں النقب اور اغوار کے علاقے شامل ہیں، اغوار فلسطین میں اریحا نامی شہر ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کا قدیم ترین شہر ہے۔

فلسطین اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں کنعانیوں کا مرکز رہا ہے، ان علاقوں میں جتنے قدیم شہر تھے وہ سارے کنعانیوں نے ہی آباد کئے تھے، کنعانی قبیلے کی اہم شاخ "یبوسی" قوم نے القدس شہر بسایا تھا۔ کنعانی دور کے بعد عبرانی دور کی باری آتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارض کنعان کی طرف ہجرت فرمائی، بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ذریعے آپ کی اولاد مصری حکمراں بنی، پھر بتدریج قبطی ان پر غالب آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں مصر سے نکالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں ان عبرانیوں نے کنعان کو فتح کیا، یہاں سے عبرانی دور کا آغاز ہوا، عبرانیوں کے حکمرانوں میں دو جلیل القدر

پیغمبر حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام بھی گزرے ہیں۔

"فلستی" نامی قبیلہ مغرب سے جنگ زدہ ہوکر نکلا، اس نے علاقے کے ساحلی علاقوں یافا سے غزہ تک کے علاقے پر قبضہ کرلیا، اس قبیلے نے اپنے مقبوضہ علاقے کا نام اپنے نام سے موسوم کرکے فلسطین رکھ دیا، یہ نام ایسا غالب رہا کہ آج اس پورے خطے کو فلسطین ہی پکارا جاتا ہے، ان نووارد فلسطینیوں اور عبرانیوں کے مابین کئی جنگیں ہوئیں، جس کے نتیجے میں حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کے سردار جالوت کو قتل کردیا، جس کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی ہے۔

۵۳۸ ق م میں فارس کے ایک بادشاہ نے شام کے پورے علاقے پر بشمول فلسطین قبضہ کرلیا۔ فارس کی حکومت ۳۳۲ ق م یہاں سے ختم ہوگئی۔

۳۳۲ ق م میں ہی مقدونی بادشاہ سکندر اعظم نے یہ علاقہ فارسیوں سے ہتھیالیا، اس کی موت کے بعد اس کے جانشینوں نے یہاں یونانی ثقافت وتہذیب کو پروان چڑھانے کی سرتوڑ کوشش کی، اس مقصد برآوری کی خاطر انہوں نے کئی شہر آباد کئے، مدارس کھولے یونانی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا، لیکن اکثر علاقوں میں سریانی زبان وتہذیب کو لوگوں نے حرز جان بنائے رکھا۔

۶۳ ق م میں روم کے مشہور قائد "بومی" نے یونانیوں کا زور فلسطین میں توڑ ڈالا، پھر یہ علاقہ رومیوں کے پاس رہا، یہاں تک کہ ۶۳۶ء میں اسلام کا پھریرا اس علاقہ پر لہرایا، اس دور کی اہم خصوصیات میں سے چند اہم ہیں:

۱:... حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور ہوا۔

۲:... یہودیوں کی دو مرتبہ شکست ہوئی۔ پہلی مرتبہ ۷۰ء میں تیطس رومی کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوئے اور دوسری مرتبہ ۱۳۵ء میں، جب یہود نے دوبارہ منظم ہونے کی کوشش کی، اس دور کے رومی بادشاہ "معادریان" نے خود حملہ کیا اور یہودیوں کو سفاکی سے قتل کیا اور باقی کو دنیا کے مختلف علاقوں میں جلاوطن کیا اب دو ہزار سال بعد اس دھتکاری ہوئی قوم کو فلسطین میں اپنے قدم جمانے کا موقع ملا ہے۔

فلسطین کی اہمیت اسلام اور مسلمانوں کے لئے اس حوالے سے بہت واضح رہی ہے کہ ابتدائے اسلام میں یہ ان کا قبلہ اول رہا ہے، اسی وجہ سے رومیوں کے ساتھ معرکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں شروع ہوگئے تھے، سرور دو عالمؐ نے اپنا آخری لشکر جیش اسامہ رومیوں کے مقابلے کے لئے ترتیب دیا ہی تھا کہ آپ اس دنیا سے پردہ فرماگئے، آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے روانہ فرمایا، ارتدادی مہم سے فارغ ہوکر خود بھی اس جانب توجہ دی، یہاں تک کہ ۱۶ ہجری میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیت المقدس مسلمانوں کے زیر قبضہ آگیا۔

چھٹی صدی ہجری میں بلاد اسلامیہ پر صلیبیوں نے حملہ کیا، جس کے نتیجے میں فلسطین میں صلیبی حکومت قائم کرلی گئی، طاقت اور قوت کے بل بوتے پر ستر ہزار مسلمانوں کو تہ تیغ کیا گیا، لیکن صلیبیوں کی یہ حکومت دیرپا ثابت نہ ہوسکی، مشہور مجاہد صلاح الدین ایوبی نے جلد ہی بیت المقدس کو صلیبی پنجہ استبداد سے واگزار کرالیا۔ ۲۷ رجب ۵۳۸ھ کو بیت المقدس دوبارہ تکبیر کے زمزموں سے گونج اٹھا۔

جس وقت عالم اسلام کو استعماری طاقتوں نے اپنی سازشوں کا ہدف بنایا اور فلسطین کی سرزمین برطانیہ کے استعماری قبضہ میں آنے لگی تو مکار اور شاطر یہودیوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اس خطے کے حصول کی خاطر کوششیں تیز کردیں، ۱۸۳۹ء میں سب سے پہلا مغربی سفارتخانہ جو بیت المقدس میں کھلا وہ حکومت برطانیہ کا تھا، جس کا واحد مقصد یہودیوں کی خدمت گزاری تھا، اس کے ساتھ ہی پوری دنیا سے یہودیوں کو بیت المقدس میں جمع کرنا شروع کردیا گیا، اس وقت پورے فلسطین میں صرف نو ہزار کے قریب یہودی تھے۔

۱۸۹۵ء میں ایک یہودی مفکر "النمساوی ہیرتسل" نے ایک کتاب شائع کی، جس کا عنوان تھا "یہودی مملکت" جس میں اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ یہودی قوم کو ایک حکومت کی ضرورت ہے، اس مقصد کے لئے فلسطین سے بہتر کوئی جگہ ان کی نظر میں نہ تھی، اس دور میں یہودیوں کی عالمی سطح پر دو بڑی کانفرنسیں ہوئیں، پہلی کانفرنس ۱۸۹۷ء اور دوسری ۱۸۹۸ء میں، جن کا حاصل یہ تھا کہ یہود اپنے قدیم وطن فلسطین کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے منظم ہوجائیں، چونکہ فلسطین خلافت عثمانیہ کا ایک حصہ تھا اور وہی اس کے مالک ومتصرف تھی، اس کے مقابلے کے لئے قوم یہود نے ہر طرح کے حربے استعمال کرنے شروع کردیئے۔

خلافت عثمانیہ کے آخری خلیفہ سلطان عبدالحمید کو اپنے دام تزویر میں پھنسانے کے لئے انہوں نے مختلف سطحوں پر ساز باز شروع کی، جس میں بھاری رقوم دے کر ترکوں کو خریدا گیا، خود خلیفہ عبدالحمید کو لالچ دیئے گئے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ ترکی کے یہودیوں کا ایک وفد سلطان سے ملا اور ان کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ فلسطین اگر یہودیوں کو دے دیا جائے تو اس کے بدلے ہم خلافت عثمانیہ کے ماتحت رہ کر خلافت کے سارے قرضے اتار دیں گے، جواب میں سلطان عبدالحمید نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر ان کو دکھایا پھر فرمایا: "اگر فلسطین کا اتنا حصہ بھی تم لینا چاہو گے تو نہیں ملے گا۔"

سلطان عبدالحمید سے مایوس ہوکر اللہ کے

غضب کی ماری اس قوم نے ان کی شہرت عام کو بگاڑنے کی کوشش شروع کردی، چونکہ ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کی اجارہ داری تھی، اس لئے اس ہتھیار سے کام لے کر سلطان پر ”رجعت پسندی اور نسل پرست“ جیسے بے پر کے الزامات کا سلسلہ شروع کردیا گیا، نتیجتاً خلافتِ عثمانیہ میں قومی نعروں کو پروان ملی۔

۱۹۰۹ء سلطان عبدالحمید کا انتقال ہوا تو گویا اس دن سے اسرائیل کے وجود کی بنیاد پڑ گئی، حکومت میں موجود صہیونیت نواز لوگوں کا ایک ایسا طبقہ موجود تھا جو برابر یہودیوں کو فلسطین منتقل کرنے میں مدد دیتا رہا، یہاں تک کہ ۱۸۹۷ء میں ان کی تعداد پچاس ہزار تھی اور یہی تعداد ۱۹۱۴ء میں ۸۵ ہزار ہوگئی۔

یہود ایک مال دار قوم تھے، ہر ملک میں بڑے بڑے بیوپاریوں اور ساہوکاروں کی صورت میں موجود تھے، جس کی وجہ سے ملکوں کی سیاست اور معاملات پر ان کا اثر انداز ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں تھا، انہوں نے خلافت عثمانیہ کو ہر طرح اور ہر سطح پر دباؤ میں رکھنے کی کوشش کی اور دنیا کو باور کرایا کہ فلسطین کا حصول یہودیوں کے لئے ناگزیر ہے، لیکن خلافت عثمانیہ ان کے باطل عزائم اور ارادوں کے سامنے سد سکندری ثابت ہورہی ہے۔ چنانچہ اس بے حقیقت مفروضے کی بنیاد پر حکومت مصر کے توسط سے صحراء سینا میں یہودیوں کو بسانے میں کچھ ایسے حالات آئے جو فلسطین میں بدی کی ”نمائندہ قوم“ کے لئے قیام حکومت کی راہ ہموار کرتے چلے گئے، جن میں چار حالات کا بطور خاص ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے:

(۱) دو عالمی جنگوں کا وقوع پذیر ہونا۔

(۲) ہٹلر کے ہاتھوں یہودیوں کا قتل عام جس سے وہ دنیا کو اپنی مظلومیت ثابت کر پائے۔

(۳) خلافتِ عثمانیہ کا سقوط۔

(۴) فلسطین کا برطانوی استعمار کے زیر دست ہوجانا۔

آخر الذکر سبب کے تحت برطانوی استعمار نے یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کے لئے حتی المقدور تعاون کیا۔ مقامی باشندوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کیا گیا، یہودی بستیاں آباد کی گئیں، تل ابیب کو مضبوط کیا، یہودیوں کے استحکام سے مطمئن ہوکر خود ۱۴؍مئی ۱۹۴۸ء کو فلسطین سے نکلنے کا اعلان کیا، جاتے جاتے اہم مقامات، سرکاری دفاتر، ہوائی اڈے یہودیوں کو بطور بخشش دیئے گئے، جبکہ مسلمانوں کا جانی، مالی اور اقتصادی استحصال کیا گیا، جس کے نتیجے میں کچھ قتل ہوئے اور اکثر ہجرت پر مجبور ہوئے۔

یوں ۱۵؍مئی ۱۹۴۸ء کو اسرائیلی مملکت کا اعلان قیام ہوا، جسے چند ہی لمحوں میں امریکا، روس اور یورپ نے تسلیم کرلیا، اسلامی ممالک میں سے صرف ترکی اور اس وقت کے شاہ ایران نے یہ ناجائز ریاست تسلیم کرکے اپنے فکری ضلالت پر مہر تصدیق ثبت کی۔

☆☆..........☆☆

قانون توہین رسالت کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے: مشترکہ اجلاس

ملتان (نمائندہ خصوصی) قانون توہین رسالت کے تحفظ کے سلسلہ میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغین کا تین روزہ اجلاس اختتام پذیر ہوگیا۔ تمام مبلغین مرکزی قائدین کی ہدایات لے کر عوامی رابطہ مہم کے سلسلہ میں اپنے اپنے علاقوں میں روانہ ہوگئے۔ تفصیلات کے مطابق آسیہ ملعونہ کے کیس سے قانون توہین رسالت کے خلاف پیدا ہونے والی تمام تر آئینی وقانونی صورت حال پر غور وخوض کے لئے ملک بھر کے تمام مبلغین کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا تھا۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ ۳؍دسمبر کو قانون رسالت کو ختم کرنے والی لابیوں کے خلاف ملک گیر پرامن احتجاج کیا جائے گا اور جمعۃ المبارک کے موقع پر ملک بھر میں مذمتی قراردادیں منظور کی جائیں گی۔ ملک کے مختلف علاقوں میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے کارکنان کتبے اٹھائے ہوئے قانون توہین رسالت کی بقاء کے لئے زبردست احتجاج کریں گے۔ اجلاس کی مختلف نشستوں کی صدارت شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی اور مولانا غلام حسین نے کی۔ جب کہ اجلاس میں قاضی احسان احمد، مولانا محمد نذر عثمانی، مولانا محمد حسین ناصر، مولانا محمد علی صدیقی، مولانا مفتی محمد راشد مدنی، مولانا محمد اسحاق ساقی، مولانا عزیز الرحمٰن ثانی، مولانا عبدالحکیم نعمانی، مولانا عبدالستار حیدری، مولانا عبدالرزاق مجاہد، مولانا عبدالستار گورمانی سمیت ملک بھر سے آئے ہوئے مبلغین اور کارکنوں نے شرکت کی۔ اجلاس میں گورنر پنجاب اور شیریں رحمان کے توہین آمیز اور اشتعال انگیز بیانات اور آسیہ ملعونہ کی پشت پناہی اور کفر پروری کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی۔ شرکاء اجلاس نے اس امر پہ اتفاق کیا کہ نامساعد حالات کے باوجود بھی تحفظ ناموس رسالت کی حفاظت کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے اور ہر محاذ پر گستاخان رسول اور اس کی پشت پناہی کرنے والی سیکولر این جی اوز اسلام دشمن سازشوں کا جرأت مندی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہیں گے۔ اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے سے مطالبہ کیا گیا کہ گستاخان رسول کا ساتھ دینے پہ گورنر پنجاب کو برطرف کیا جائے اور مسلمانوں کے طے شدہ دینی معاملات میں مداخلت کرنے والے اور قانون توہین رسالت سے مذاق اڑانے والوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے۔

گزشتہ سے پیوستہ

جھوٹے مدعی نبوت اور عقیدۂ ختم نبوت

کچھ عرصہ قبل حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ نے دفتر ختم نبوت کراچی میں علماء و طلباء سے خطاب فرمایا، جسے طالب علم محمد ہشام (معہد الخلیل) نے قلم بند کیا۔ افادۂ عام کے لئے قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ (ادارہ)

ضبط و ترتیب: محمد ہشام

مرزا قادیانی بدنصیب کے دعووں کا تضاد

بھائیو! مرزا قادیانی کا نبوت کا دعویٰ کرنا یہ سو فیصد متعین ہے، اس کے جتنے الٹے پلٹے دعوے ہیں (مثلاً) اس نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا، نبی ہونے کا، بہت پہلے مجدد ہونے کا، خادم اسلام ہونے کا، اور اس کے علاوہ بہت سے دعوے کئے، اس کی ہر بات میں تضاد تھا، صبح کو یہ بدنصیب کچھ کہتا تھا، شام کو کچھ کہتا تھا، آپ کے کراچی کے معروف عالم دین تھے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ''دعاوی مرزا'' کے نام پر انہوں نے ایک کتاب مرتب کی، ستائیس سے زیادہ انہوں نے اس میں مرزا ملعون کے دعوے لکھے کہ اس نے یہ یہ دعوے کئے۔

جو دوست اس عنوان پر علمی کام کرنے والے لوگ ہیں وہ مجھ مسکین کی اس بات کی تائید کریں گے کہ مرزا قادیانی کی کوئی ایسی بات نہیں جس کے اندر اختلاف نہ ہو، اس کی ہر بات کے اندر اختلاف ہے سوائے ایک بات کے۔ مثلاً اپنی ذات کے متعلق اس کا اختلاف، کبھی کہتا ہے کہ میں مغل ہوں، کبھی کہتا ہے کہ میں چینی ہوں، کبھی کہتا ہے کہ میں فارسی ہوں، کبھی کہتا ہے کہ میں سادات میں سے ہوں، اپنی ذات کے متعلق کہ میری قوم کیا تھی؟ میری برادری کیا تھی، یہ ایک عام سیدھی سی بات ہے کہ ایک عقلمند انسان ویسے اپنی قوم بدلے تو اس کی مرضی، لیکن عمومی طور پر یہ ہوتا ہے کہ کوئی آدمی اگر جھوٹ کے ساتھ بھی اپنی قوم بدلے تو ایک ہی قوم بتائے گا۔ ایک فرد چار قومیں اپنی نہیں بتاتا، لیکن مرزا قادیانی ایسا بدنصیب آدمی تھا کہ اس کا اپنی پیدائش پر بھی اختلاف، جس کی ذاتی حالت کا یہ عالم تھا کہ ایک جگہ لکھا کہ ''میں نے آج تک کسی سے کوئی سبق نہیں پڑھا۔'' دوسری جگہ لکھا کہ ''میرے پڑھانے والے چار استاد تھے۔'' اس کی ہر بات کے اندر تضاد ہے لیکن ایک بات ایسی ہے کہ جب سے اس نے دعویٰ کیا اس وقت سے لے کر مرنے تک، ایک بات کے اوپر وہ پکا رہا، جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس کا بنیادی مقصد تھا۔ وہ یہ کہ ''انگریز کی اطاعت فرض ہے، انگریز کے خلاف جہاد کرنا حرام ہے، انگریز اولوا الامر ہیں، کہ جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت فرض ہے اسی طرح انگریز کی اطاعت فرض ہے''۔ پہلے دن سے آخری دن تک کبھی خواب میں بھی مرزا نے اپنے اس موقف کے خلاف کوئی بات نہیں کہی۔ غلام قادیانی کے اس طرز عمل کو دیکھ کر یہ بات متعین کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے کہ یہ اس کا بنیادی مقصد تھا جس کی خاطر اس سے جھوٹا نبوت کا دعویٰ کرایا گیا۔

حکیم نورالدین کی مولانا شاہ عبدالرحیمؒ سے ملاقات

لیکن ذرا آپ دیکھیں کہ مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کرنے سے بہت پہلے ہمارے ایک حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ تھے، سہارنپور کے رہنے والے تھے، اللہ رب العزت کے بہت ہی مقبول بندوں میں سے تھے، اتنے مستجاب الدعوات تھے کہ جس کام کے لئے دعا کر دیتے، اللہ رب العزت اسے قبول کر لیتے، اس زمانے میں حکیم نور الدین یہ مہاراجہ کشمیر کا ذاتی معالج تھا، اور اسی کے پاس رہتا تھا۔ مہاراجہ کو تکلیف ہوگئی، علاج سے افاقہ نہ ہوا تو یہ حکیم نورالدین کشمیر سے سہارنپور آیا، اور شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کو آ کر کہا کہ وہ مہاراجہ بیمار ہے آپ اس کے لئے دعا کر دیں۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے نورالدین کو دیکھ کر کہا کہ ''میں اس کے لئے دعا تو کرتا ہوں لیکن آپ میری ایک بات بھی مان لیں'' نورالدین نے کہا: حضرت کیا؟ فرمایا: ''ہوگا وہی جو اللہ رب العزت کو منظور ہے سارے کام کرنے والی اللہ رب العزت کی ذات ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں، میرے قلب کی صفائی کی بنیاد پر اللہ رب العزت نے میرے اوپر اس امر کو منکشف کر دیا ہے کہ ایک شخص پنجاب کے اندر پیدا ہوگا وہ جھوٹا نبوت کا دعویٰ کرے گا، میں تمہیں کہتا ہوں، وصیت کرتا ہوں کہ تم اس کے قریب نہ جانا، ہوگا وہی جو اللہ رب العزت کو منظور ہے لیکن یہ میری آپ کو نصیحت ہے۔''

دعا کی، وہ چلا گیا، ساتھیوں نے حضرت مولانا

سے عرض کیا کہ حضرت! آپ کا مزاج تو ایسا نہیں تھا۔ آج آپ نے بیٹھے بیٹھے یہ بات کیسے کہہ دی؟ شاہ عبد الرحیم صاحب نے فرمایا: "دیکھو میں پھر کہتا ہوں ہوگا وہی جو اللہ رب العزت کو منظور ہے لیکن میرے اس کو کہنے اور نصیحت کے باوجود میں دیکھ رہا ہوں کہ تقدیر الٰہی میں یہ لکھا ہے کہ ایک آدمی پنجاب میں جھوٹا نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ اور یہ شخص جو میرے پاس آیا تھا یہ تقدیر الٰہی میں اس کا مصاحب لکھا ہوا ہے، کہ یہ اس کے ساتھ کھڑا ہوگا، وہ جھوٹا نبوت کا دعویٰ کرے گا اور یہ شخص اس کی تائید کرے گا۔" چنانچہ حضرت کی نصیحت کے باوجود ہوا وہی جو اللہ کو منظور تھا۔ حکیم نورالدین جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کا خلیفہ اول قرار پایا۔

یہ علم غیب نہیں ہے

ایک بات کی وضاحت: آج کل سائنس کی بنیاد پر ہمارے محکمۂ موسمیات والے پہلے سے پیش گوئی کر دیتے ہیں کہ فلاں جگہ بارش کا موسم بن رہا ہے اتنے دنوں تک کراچی میں بارش آجائے گی، اور بارش آجاتی ہے، تو یہ محکمۂ موسمیات والے سائنس کی بنیاد پر دیکھ لیتے ہیں، اسی طرح یہ جو اللہ والے ہیں، کہیں قبرستان سے گزرے تو کھڑے ہوگئے خوشی کے ساتھ دعا کر دی، پوچھا کسی نے کہ کیا ہوا؟ تو فرمایا یہاں کوئی اللہ کا نیک بندہ مدفون ہے، اس کی وجہ سے قبرستان والوں پر اللہ کی رحمت ہو رہی ہے اور یہاں میں نے اللہ کی رحمت کے انوار دیکھے۔ تو جس طرح سائنس والے آلات کی بنیاد پر آنے والے حالات کا اندازہ کر لیتے ہیں، اللہ انہیں اس کا علم دے دیتے ہیں، اسی طرح یہ بزرگ لوگ جو کہہ دیتے ہیں کہ یہاں پر اللہ کی رحمت ہو رہی ہے یا وہ اپنے قلب کی صفائی کی بنا پر کہہ دیتے ہیں کہ میں یہاں اندھیرا دیکھ رہا ہوں، اسی اندھیرے میں ایک طوفان آ رہا ہے بدی کا، اسی بدی کے اندھیرے میں سے ایک مرزا غلام قادیانی کا دعویٰ کرنا بھی تھا۔

ایک اور بزرگ کی وصیت

دلدار پور (قادیان کے قریب) ایک گاؤں ہے اس میں ایک بزرگ رہتے تھے جن کا نام غالباً ظہور الدین شاہ تھا۔ جب ان کی وفات ہونے لگی تو انہوں نے کہا کہ میری قبر پر کتبہ لگانا اور اس پر لکھنا "ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" اس وقت مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کرنے کا تصور بھی نہ تھا اور اس وقت تک اس علاقے میں جتنے بھی بزرگ فوت ہوئے کسی کی قبر کے کتبہ پر یہ آیت نہیں لکھی گئی تھی اور وہ بالکل قادیان سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر رہائش پذیر تھے اور مرنے سے پہلے یہ وصیت کی۔

اہل علم نے ان چیزوں کو جب ملایا تو انہیں یہ بات سمجھ میں آئی کہ یہ بزرگ بھی وہ ہیں جن کے قلب مبارک پر اللہ رب العزت نے یہ بات ڈال دی تھی، کہ آپ کے قریب ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا تو علاقے اور اپنی اولاد کو بچانے کے لئے وہ یہ وصیت کر گئے کہ میری قبر کے کتبہ پر یہ آیت لکھ دی جائے۔ یہ دو شہادتیں ہوئیں۔

پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کو حاجی امداد اللہؒ مہاجر مکی کا بھیجنا

تیسرے ہمارے ایک بزرگ تھے، حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ۔

برصغیر کے معروف عالم دین حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ جو کہ بخاری شریف کے شارح ہیں، اُن کے شاگرد تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی جو کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی تھے وہ بھی حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کے شاگرد ہیں، اور حضرت مولانا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ یہ بھی حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کے شاگرد ہیں۔ اور حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے شاگرد تھے، اور وہ شاہ عبدالعزیزؒ کے اور شاہ صاحبؒ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے۔

تو پیر مہر علی شاہ صاحبؒ راولپنڈی کے ساتھ ۵،۱۰ کلومیٹر پر ایک جگہ ہے گولڑاں، چشتیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے، بہت نیک اور صالح فطرت تھے، یہ مدینہ طیبہ گئے، اور ارادہ کر کے گئے کہ میں نے واپس نہیں آنا، وہیں رہنا ہے۔ جب یہ مکہ مکرمہ پہنچے اور حضرت حاجی امداد اللہ سے ملے اور اپنے ارادے کا اظہار کیا۔ حاجی صاحب کا پیر مہر علی شاہ صاحبؒ سے پہلے تعارف نہیں تھا۔ پہلی ملاقات تھی۔ بیٹھے بیٹھے اسی ملاقات میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے پیر صاحب سے کہا کہ میری طرف ہاتھ کریں، انہوں نے ہاتھ بڑھائے، بیعت کی، بیعت کر کے فرمایا کہ آپ میری طرف سے خلیفہ ہیں۔

پہلی ملاقات جس میں نہ جان نہ پہچان اسی میں بیعت کی اور خلافت بھی دی اور پیر مہر علی شاہ صاحبؒ سے کہا کہ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ یہاں حجاز مقدس میں نہ رہیں، پنجاب کے اندر واپس چلے جائیں، وہاں ایک فتنہ اٹھنے والا ہے، میں اس کی ظلمت کو دیکھ رہا ہوں، اللہ رب العزت اس فتنے کے خلاف آپ سے کام لیں گے، آپ نے اگر اس فتنے کے خلاف کام کیا تو اللہ کے ہاں سے اجر پائیں گے۔ خدانہ کرے کہ اگر آپ نے کام نہ بھی کیا تو بھی آپ اس علاقے کے اندر موجود ہیں تو آپ کے وجود کی بنا پر بھی وہ فتنہ ترقی نہیں کر پائے گا۔

پیر مہر علی شاہؒ کا مرزا قادیانی کو مناظرہ کا چیلنج

مرزا قادیانی نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا حضرت پیر مہر علی صاحبؒ کی اس طرف توجہ نہیں گئی۔ اور یہ پتہ بھی نہیں تھا، یہ اپنے کام میں مصروف ہوگئے۔ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مہر علی شاہ! مرزا قادیانی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے الحاد کی قینچی کے ساتھ میرے دین کا

ٹکڑے کر رہا ہے اور تم خاموش بیٹھے ہو"۔

شاہ صاحبؒ بیدار ہوئے اور اسی خواب کی بنیاد پر انہیں سمجھ میں آیا کہ فتنہ سے مراد مرزا قادیانی کا فتنہ ہے۔ یہ اس کے مقابلے پر کھڑا ہوئے اور اُسے مقابلے اور مباحثہ کا چیلنج دیا۔ مرزا قادیانی نے تاریخ مقرر کی ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء۔ گویا کہ آج سے ایک سو دس سال پہلے، کہ لاہور کی شاہی مسجد میں آپ بھی آجائیں میں بھی آجاؤں گا۔ وہاں گفتگو ہوگی۔

پیر صاحب روانہ ہوئے، راستے میں پنڈی کے اسٹیشن پر پیر صاحب کو مرزا کا ٹیلی گرام ملا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے ساتھ سرحد کے علاقے کے پٹھان آرہے ہیں، جس سے امن کو خطرہ ہے، میں نہیں آتا۔ پیر صاحب نے جواب میں ٹیلی گرام بھیجا کہ تم نے خود چیلنج قبول کر کے مجھے بلایا تھا۔ میں گھر سے چل پڑا ہوں، اللہ کا نبی تو ڈرانے کے لئے آتا ہے وہ کسی سے ڈرا تو نہیں کرتا میرے ساتھ اگر چار مرید آرہے ہیں، تو تم کیوں ڈرتے ہو، میرا وعدہ رہا کہ جو آپ کے ساتھ آئیں گے ان کے حفظ امن کے آپ ذمہ دار جو میرے ساتھ آئیں گے اُن کے حفظ امن کا میں ذمہ دار۔ آپ کی اور میری ایک بات طے ہو چکی ہے۔ میں چل پڑا ہوں تم بھی پہنچو، اب گفتگو ہوگی۔ مرزا قادیانی مقابلہ میں نہیں آیا۔

بھائیو! اس نے قادیان میں بیٹھ کر پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کو چیلنج دیا اور کہا کہ قرآن مجید کو کھول کر کوئی ایک سورۃ نکالتے ہیں تم بھی اُس کی تفسیر لکھو، میں بھی اس کی تفسیر لکھتا ہوں۔ علمائے کرام سے فیصلہ کرائیں گے کہ کس کی تفسیر زیادہ اچھی ہے۔ اور ایک شرط یہ بھی لگائی کہ اس قرآن مجید کی تفسیر میں پرانی کوئی بات نہ کہنا، نئی بات کہنا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے کہا کہ یہ قرآن چودہ سو سال پہلے نازل ہوا۔ جس طرح قرآن مجید چودہ سو سال سے امت کے پاس رہا ہے، اسی طرح فہم قرآن اور اس کا ترجمہ یہ بھی چودہ سو سال پہلے کا امت کے پاس موجود ہے۔ اگر ہم اس سے ہٹ کر کوئی نئی بات کہتے ہیں تو وہ تو الحاد اور زندقہ ہے۔ قرآن مجید کا تو وہی ترجمہ کرنا ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، صحابہ کرام نے کیا، ائمہ نے کیا، بخاری و مسلم نے کیا، اس سے ہٹ کر کوئی ہم ترجمہ کرتے ہیں تو یہ تو الحاد ہوا، قرآن کا ترجمہ نہ ہوا۔

مرزا نے کہا کہ میں اپنے گھر میں بیٹھتا ہوں آپ اپنے گھر میں بیٹھیں، تفسیر لکھیں۔ مولانا پیر مہر علی صاحب نے کہا کہ میں چل پڑا ہو تم لاہور پہنچو۔ باقی رہا لکھنے لکھانے کا مسئلہ، اگر تمہیں تفسیر کا شوق ہی ہے تو میرے سامنے آجانا تم بھی کاغذ قلم لے کر بیٹھ جاؤ، میں بھی کاغذ قلم لے کر بیٹھ جاؤں گا، میں اپنے قلم کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا، کاغذ پر رکھ دوں گا، آپ بھی اپنا قلم رکھ دینا، تم اپنی نبوت کا اقرار کر کے اپنے قلم کو کہنا کہ چلے۔ میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا دم بھر کے اللہ کے سامنے دعا کروں گا کہ اللہ میرے قلم کو چلا دے۔ اگر تمہیں لکھنے کا شوق ہے تو میں یہ بھی کرنے کو تیار۔

میرے بھائیو! مرزا قادیانی سامنے نہ آسکا اور یہ پہلا معرکہ تھا کہ امت کی طرف سے، تمام مکاتب فکر متحد اور اکٹھا ہو کر غلام قادیانی کے مقابلے کے لئے کھڑے ہوئے سات سو سے زیادہ اس وقت کے جید علمائے کرام کی تعداد تھی جو لاہور کی تھی۔ لیکن مرزا قادیانی بدنصیب کو دیکھئے کہ وہ اُن کے سامنے نہیں آیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے تحفظ کے کام کی جدوجہد، جس کا آغاز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا تھا برصغیر میں آکر اس جدوجہد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے رب کریم نے اس کی شاہراہ متعین کی۔ اس شاہراہ پر پہلا قافلہ، شاہ عبدالرحیمؒ نے نشاندہی کی، حاجی امداداللہ صاحبؒ کے کشف کے مطابق بے دینی کا، ظلمت کا یہ سیلاب آیا، اس سیلاب کو روکنے کے لئے، اس بنیادی شاہراہ پر جو سب سے پہلا قافلہ چلا، اسے قافلہ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کہتے ہیں۔

بھائیو! پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی سے جدوجہد کا آغاز ہوا۔ اور میں کس طرح اس کی تعبیر کروں کہ جیسے حاجی امداداللہ صاحب کے نام (امداد) کے شروع میں الف ہے۔ اور یوسف بنوریؒ کے نام کے آخر میں "ی" ہے۔ یہ الف سے لے کر یا تک۔ مکہ مکرمہ سے کراچی تک جو جدوجہد چلی ہے۔ جو امت نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ختم نبوت کے تحفظ کے لئے برصغیر میں کام کیا ہے اس کے پہلے جرنیل پیر مہر علی شاہ صاحبؒ تھے اور آخری جرنیل حضرت مولانا یوسف بنوریؒ۔ یہ جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ختم نبوت کی تحریک ہے۔ آج میں نے آپ کے سامنے اس کا پہلا ورق بیان کرنے کی اپنے طور پر کوشش کی۔

بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا کام کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ دستے میں اپنا نام شامل کروانے کے مترادف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آج ہم پر دنیا میں اس بات کی حقیقت منکشف نہ ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ پیپلز پارٹی کی حکومت ہے، تو وہ اپنے کارکنوں کو نوازتے ہیں کہ یہ ہماری پارٹی کے ہیں، مسلم لیگ کی حکومت ہو تو وہ اپنے کارکنوں کو نوازتے ہیں کہ یہ ہماری پارٹی کے ہیں، جو ختم نبوت کا کام کرتے ہیں قیامت کے دن حضور علیہ الصلاۃ والسلام فرمائیں گے کہ یہ میری پارٹی کے ہیں، اور یہ بہت ہی سعادت کی بات ہے۔ بھائیو! دنیاوی طور پر ہمیں کون جانتا ہے ہماری کیا حقیقت ہے؟ مرنے کے بعد جب آنکھ بند ہوگی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوگا۔ اُس وقت یہ حقیقت کھلے گی کہ یہ کتنا مقدس کام تھا۔ اللہ آپ کو بھی توفیق دے اور مجھے بھی توفیق دے۔ ☆☆☆

گزشتہ سے پیوستہ

مذہبی آزادی اور رواداری

(قرآن وسنت کی روشنی میں)

حضرت ابوبکرؓ جس کسی لشکر کو روانہ فرماتے اس کو یہ ہدایت دیتے تھے:

"ولا تھدموا بیعۃ ولا تقتلوا الولدان ولا الشیوخ ولا النساء، وسیجدون اقواما حبسوا انفسھم فی الصوامع فدعوھم، وما حبسوا انفسھم لہ، وستجدون آخرین اتخذ الشیطان فی رؤوسھم افحاصا فاذا وجدتم اولیک فاضربوا اعناقھم۔" (البیہقی، السنن الکبریٰ، ج:۹، ص:۸۵، عبدالرزاق المصنف ۵۔۱۹۹)

ترجمہ: "کسی عبادت گاہ کو مت گرانا اور نہ ہی بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کرنا تمہیں بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے اپنے آپ کو گرجا گھروں میں محبوس کر رکھا ہے اور دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا، ان کے علاوہ تمہیں کچھ دوسرے لوگ ملیں گے جو شیطانی سوچ کے حامل ہیں جب تمہیں ایسے لوگ ملیں تو ان کی گردنیں اڑا دینا۔"

ایک مرتبہ حضرت عمرو بن عاصؓ والی مصر کے بیٹے نے ایک غیر مسلم کو ناحق سزا دی۔ خلیفہ وقت امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس جب اس کی شکایت ہوئی تو انہوں نے سر عام گورنر مصر کے بیٹے کو اس غیر مسلم مصری سے سزا دلوائی اور ساتھ ہی فرمایا: "تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام سمجھ لیا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔"

حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کے کلیسا کے ایک گوشے میں نماز پڑھی، پھر خیال آیا کہ کہیں مسلمان میری نماز کو حجت قرار دے کر عیسائیوں کو نکال نہ دیں، اس لئے ایک خاص عہد نامہ لکھوا کر بطریق (پادری) کو دیا، جس کی رو سے کلیسا کو عیسائیوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا اور یہ پابندی لگا دی گئی کہ ایک ہی مسلمان کلیسا میں داخل ہو سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ (اسلامی ریاست، امین احسن اصلاحی، ص:۲۹)

ریحان اختر، انڈیا

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فتویٰ بھی اس لحاظ سے تھا کہ اس وقت تک مسلمان اور دوسری قومیں اچھی طرح ملی بھی نہیں تھیں، لیکن جب یہ حالت نہیں رہی تو وہ فیصلہ بھی نہیں رہا۔ چنانچہ خاص اسلامی شہروں میں اکثریت کے ساتھ گرجا، بت خانے، آتش کدے بنے کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ بغداد خاص مسلمانوں کا آباد کیا ہوا شہر ہے۔ وہاں کے گرجوں کے نام معجم البلدان میں کثرت سے ملتے ہیں۔ قاہرہ میں جو گرجے بنے وہ مسلمانوں ہی کے عہد میں بنے۔" (رسائل شبلی)

اسلام قطعی طور پر مذہب کے سلسلہ میں جبر و اکراہ کو سرے سے خارج قرار دیتا ہے، اس لئے کہ اسلام صرف ظاہری و روایتی رسوم کا نام نہیں ہے بلکہ وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی دعوت وتبلیغ کا نشیمن بنانا چاہتا ہے، وہ انسان کے خرمن دل کو نور ایمانی سے منور کرنا چاہتا ہے، کیسا اسلام اسے درکار ہے کیسے دین ومذہب کا متقاضی ہے؟ سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"اسلام کی دو حیثیت ہے، ایک حیثیت میں وہ دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ کا قانون ہے، دوسری حیثیت میں وہ نیکی و تقویٰ کی جانب ایک دعوت اور پکار ہے۔ پہلی حیثیت کا منشا دنیا میں امن قائم کرنا ہے، اس کو ظالم و سرکش انسانوں کے ہاتھوں تباہ ہونے سے بچانا اور دنیا والوں کو اخلاق و انسانیت کے حدود کا پابند بنانا ہے۔ جس کے لئے قوت و طاقت کے استعمال کی ضرورت ہے لیکن دوسری حیثیت میں وہ قلوب کا تزکیہ کرنے والا، ارواح کو پاک وصاف کرنے والا، حیوانی کثافتوں کو دور کر کے بنی آدم کو اعلیٰ درجہ کا انسان بنانے والا ہے۔ جس کے لئے تلوار کی دھار نہیں بلکہ ہدایت کا نور، دست و پا کا انقیاد نہیں بلکہ دلوں کا جھکاؤ اور جسموں کی پابندی نہیں بلکہ روحوں کی اسیری درکار ہے۔ اگر کوئی شخص سر پر تلوار چمکتی ہوئی دیکھ

کر ''لا الہ الا اللہ'' کہہ دے مگر اس کا دل بدستور ماسوائے اللہ کا بت کدہ بنا رہے تو دل کی تصدیق کے بغیر یہ زبان کا اقرار کسی کام کا نہیں، اسلام کے لئے اس کی حلقہ بگوشی قطعاً بیکار ہے۔''

(ابوہادی فی الاسلام، ص:۱۶۵)

علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنے مقالہ ''ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی'' میں لکھتے ہیں:

''تمام دنیا کے مذاہب میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے یہ فلسفہ دنیا میں ظاہر کیا کہ مذہب یقین کا نام ہے اور یقین تلوار کی دھار اور نیزہ کی نوک سے نہیں پیدا کیا جاسکتا۔'' (بحوالہ غیر مسلموں سے تعلقات اور مذہبی رواداری، مفتی سرور فاروق جمعیت پیام امن)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور سلاطین اسلام مذہبی آزادی اور رواداری کے ایسے نقوش چھوڑ گئے جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا کی (قدیم و جدید تاریخ) قاصر ہے، غزوۂ خیبر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا، اس میں توراۃ کے متعدد نسخے تھے، یہودیوں نے درخواست کی وہ ان کو عطا کردیئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ یہ سب صحیفے ان کے حوالے کردیئے جائیں، یہودی فاضل ڈاکٹر اسرائیل ولفنسون اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس واقعہ سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ان مذہبی صحیفوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کس درجہ احترام تھا۔ آپ کی اس رواداری اور فراخ دلی کا یہودیوں پر بڑا اثر پڑا۔ وہ آپ کے اس احسان کو کبھی بھول نہیں سکتے کہ آپ نے ان کے صحیفوں کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں کیا جس سے ان کی بے حرمتی لازم آتی ہو، اس کے بالمقابل انہیں یہ واقعہ بھی خوب یاد ہے کہ جب رومیوں نے یروشلم کو سن ۷۰ء قبل مسیح میں فتح کیا تھا تو انہوں نے ان مقدس صحیفوں کو آگ لگادی اور ان کو اپنے پاؤں سے روندا۔ اسی طرح متعصب نصرانیوں نے اندلس میں یہودیوں پر مظالم کے دوران توراۃ کے صحیفے نذر آتش کئے یہ ہے وہ عظیم فرق جو ان فاتحین (جن کا ابھی ذکر گزرا ہے) اور اسلام کے نبی کے درمیان ہمیں نظر آتا ہے۔'' (تاریخ الیہود فی بلاد العرب، ص:۱۷۰، ماخوذ رسول اللہ کی انسانیت نوازی عبدالعلیم حبیب ندوی، ادارۂ احیائے علم لکھنؤ)

ایک اور فاضل مورخ مسٹر عیسن جو ایک بے باک تاریخ داں ہیں، جنہوں نے موجودہ دور کے تمام عیسائیوں اور مسلم مورخوں کی تحریروں کا بہت ہی باریک بینی سے اور ناقدانہ مطالعہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ اسلامی مملکت میں آباد عیسائیوں کی جان، ان کی تجارت اور ان کے مال و اسباب اور مذہبی امور کی ادائیگی اور ہر قسم کے تحفظ کی ضمانت دے دی اور رواداری کے اصول پر نہ صرف خلفائے راشدین ہی نے پوری سختی سے عمل کیا تھا بلکہ تمام عرب حکمراں بھی رواداری کے اس اصول پر کاربند رہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے عروج کی تاریخ رواداری، بے تعصبی اور ان کے اعلیٰ قدروں کو اجاگر کرنے کی تاریخ ہے۔ اس دور کی مسلمانوں کی سلطنتیں ستم رسیدہ، یہودیوں اور نسطوری، یعقوبی اور دوسرے عقائد رکھنے والے عیسائیوں کی پناہ گاہ تھیں اور ان کے مذہبی عقائد سے اختلاف کے باوجود مسلم ممالک میں انہیں پناہ لینے کی کھلی آزادی تھی، بلکہ انہیں مذہبی فرائض کی ادائیگی اور اپنی عبادت گاہوں کو تعمیر کرنے کی بھی آزادی حاصل تھی۔'' (بحوالہ اسلام اور رواداری، ص:۵۹، دعوت، دہلی:۱۳/ستمبر ۱۹۸۳ء)

ہملٹن نامی ایک انگریز سیاح جو بادشاہ عالمگیر کے زمانے میں ہندوستان آیا تھا، وہ اپنے سفرنامہ میں مختلف شہروں کا عینی مشاہدہ درج کرتے ہوئے شہر ٹھٹھہ کے متعلق لکھتا ہے:

''حکومت کا مسلمہ مذہب اسلام ہے، لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے، ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پوری طرح برتی جاتی ہے، وہ اپنے برت رکھتے ہیں، پوجا پاٹ کرتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح مناتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانے میں مناتے تھے، جبکہ بادشاہت ہندوؤں کی تھی۔''

(سفرنامہ ہملٹن، ج:۱، ص:۱۲۷، ۱۲۸)

سر ولیم میور نے لکھا:

''رسول خدا نے بنی حارث اور نجران کے پادریوں کو پوری مذہبی آزادی دینے کا اقرار کیا تھا، وہ اپنے طریقے پر اپنے گرجاؤں میں جس طرح چاہیں عبادت کریں بشپ اور راہب اپنی جگہ پر بحال رہیں جب تک یہ لوگ امن و امان کے ساتھ رہیں ان کے ساتھ کچھ تعرض نہ ہوگا۔'' (لائف آف محمد، ج:۴، ص:۲۹۹)

دین و مذہب کے سلسلے میں مسلمانوں کے ساتھ

دوسری اقوام نے کیا سلوک و برتاؤ کیا، کس طرح سے انہیں مذہبی جبر و اکراہ کا شکار بنایا، اس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں آج تک محفوظ ہے کہ اندلس کی سرزمین پر مسلمانوں نے کئی سو سال تک حکومت کی اور وہاں کے چپہ چپہ پر اسلامی تہذیب و ثقافت کی یادگاریں قائم کیں، لیکن جب حکومت و اقتدار ان کے ہاتھوں سے نکل گیا اور ادبار نے ان کو آ گھیرا تو عیسائیوں نے ان کے ساتھ کیسی سفاکی و درندگی کا مظاہرہ کیا، ایک انگریز مورخ کی زبانی سنئے وہ لکھتا ہے:

"غرناطہ کے سقوط کے بعد ان تمام عربوں کی موت تھی، جنہوں نے اسپین پر سات سو اکیاسی (۷۸۱) سال (۷۱۱ء۔۱۴۹۲ء) تک حکومت کی، فردی نند سے معاہدہ تو ضرور ہوگیا تھا، لیکن اس پر عمل کرنے کا اس کا مطلق ارادہ نہ تھا، اس نے غرناطہ پر قبضہ کرلیا، یہی اس کی زندگی کا مقصد تھا وہ اپنی سیاسی زندگی میں ذاتی مفاد کی خاطر ہر چیز کو قربان کرسکتا تھا، اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ عربوں کو مجبور کرے گا کہ وہ اپنے مذہب اور طرز زندگی کو ترک کرکے یہاں کے باشندوں میں ضم ہوجائیں، وہ اپنے مذہبی قوانین میں تبدیلی اس طرح کرتا رہا کہ سارے مسلمان کیتھولک بنے رہیں۔ مسلمانوں پر عبادت کرنے کی پابندی عائد کی گئی، پھر وہ کھل کر اس اعلان کے ساتھ سامنے آگیا کہ وہ مسلمان جو عیسائیت قبول نہ کریں ملک بدر کردیے جائیں، غرناطہ میں کہرام مچ گیا، مگر کوئی ساعت نہیں ہوئی مسلمان گرجا جاتے عیسائیوں کی طرح عبادت کرتے، مگر گھر آکر توبہ استغفار کرتے۔"

(ہسٹری آف دی ورلڈ، ج:۶، حصہ دوم، ص:۲۵۸)

سنگدلی اور بے رحمی کی یہی تاریخ صقلیہ میں بھی دہرائی گئی، جہاں عربوں نے دو سو سال تک حکومت کی تھی، لیکن جب ۱۰۷۲ء میں پلرمو کی لڑائی میں شکست ہوئی تو جس طرح مسلمانوں کو تباہ کیا وہ بھی ایک مورخ کی زبانی سنئے:

"پلرمو میں پانچ سو مسجدیں تھیں، ان کو منہدم کرکے گرجا گھر میں تبدیل کردیا گیا، وہاں علماء، صوفیا اور حکما کی جتنی قبریں تھیں، سب نیست و نابود کردی گئیں، چارلس دوم کے زمانے میں سسلی کے مسلمانوں کو زبردستی عیسائیوں کا بپتسمہ دیا گیا، نوسیرا اور بوسیرا کے مسلمانوں کی تعداد اسی ہزار تھی ان کو زبردستی عیسائی بنالیا گیا، ساری جگہیں مسلمانوں سے خالی کرالی گئیں۔" (ہسٹری آف ورلڈ ۹۰/۸۲)

اسلام نے دوسرے مذاہب و ادیان کے ماننے والوں کو کتنا عزت و توقیر سے نوازا، ان کو کس طرح کی مذہبی آزادی دی اور کس طرح ان کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھا۔ اس کے بالمقابل مسلمانوں کے ساتھ دوسرے مذہب کے لوگوں نے کیا طریقہ کار اپنایا، کس طرح سے ان کی عزت و ناموس سے کھلواڑ کیا اور ان کے مذہبی حقوق کو چھین لیا اور ان کو اپنا دین و مذہب ماننے پر مجبور کیا، ہم نے انہیں کی زبانی مندرجہ بالا سطروں میں ملاحظہ کیا ہے، یہ ہے وہ واضح فرق اسلام میں اور دوسرے ادیان و مذاہب میں۔ اسلام جیسی وسعت قلبی دنیا آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔

قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین و سلاطین اسلام نے مذہبی آزادی کے معاملے میں جس وسعت ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے اور جتنا انہوں نے دین و مذہب کے سلسلہ میں استغنی سے کام لیا اس کی مثال اور کہیں دیکھنے کو نہیں ملتی ہے۔

دوسرے مذہب کی تعلیمات میں اور ان کے ماننے والوں میں مذہبی امور کو انجام دینے کی اس طرح کی آزادی دیکھنے کو نہیں ملتی ہے۔ مذہبی آزادی اسلام میں کتنی ہے، اس کے ثبوت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے کوئی کمیٹی یا کوئی ادارہ قائم نہیں کیا گیا۔ اسلامی ریاست میں یہود و نصاریٰ پوری آزادی کے ساتھ مذہبی امور کو ادا کرتے تھے ان کو بھی ملت اسلامیہ میں وہی حقوق حاصل تھے جو خود مسلمانوں کو حاصل تھے ان کے جان و مال کی وہی قدر و قیمت تھی جو ایک مسلمان کے جان و مال کی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے اگر اس قسم کی تدبیریں کی جاتیں جو دوسرے ادیان و مذاہب کی ترویج و اشاعت کے لئے اختیار کی گئی ہیں تو بلاد اسلام میں کسی غیر مذہب یا اس کے ماننے والوں کا وجود بھی باقی نہ رہتا۔ اسلام کی ذاتی خوبیوں اور سادہ تعلیم کے ساتھ اگر سامان رضا و رغبت کو بھی جمع کردیا جاتا تو کیا ایک بھی ایسا انسان باقی رہ جاتا جو اسلام کو قبول نہ کرلیتا؟ کیا جس طرح اندلس (اسپین) جیسا وسیع ملک جہاں کروڑوں مسلمان تھے پھر مسلمانوں سے خالی ہوگیا۔ روم، شام، عراق، ہند، سندھ وغیرہ اور خود اندلس کا ہی حال پامال نہ ہوا، تا آنکہ سوائے اسلام کے دوسرے مذاہب و ادیان کا نام و نشان مٹ چکا ہوتا، لیکن ایسا ہرگز نہ ہوا۔

بہرحال اسلام نے مساوات اور مذہبی آزادی کے وہ فراخ دل اصول و ضابطے تیار کیے جن کی وجہ سے سلطنت اسلامیہ کے عروج کے زمانہ میں یہودی و عیسائی اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے ایک ساتھ رہتے تھے اور بڑے بڑے عہدے حاصل کرنے میں مسلمانوں سے مزاحمت کرتے تھے۔

☆☆......☆☆

کرسمس... یا... ”بڑا دن“

ابواسحاق، لاہور

عیسائیوں کے ہاں ۲۵ر دسمبر کا دن بہت اہم ہے۔ اس دن یہ اپنا سب سے بڑا تہوار ”کرسمس“ مناتے ہیں۔ اس دن ان کے ہاں نئے کپڑے، نئے سامان، زیب و زینت اور بچوں کے تحفوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ کرسمس کو عیسائی حضرات دراصل یوم ولادت مسیح کے طور پر مناتے ہیں۔ یہ دن ان کے ہاں ”یوم میلاد المسیح“ ہے۔ ہماری عید کی طرح کرسمس بھی ان کے ہاں بے حد خوشی وشادمانی کا دن مانا جاتا ہے۔ اس دن عقیدت میں ان کے ہاں شراب کو بھی پانی کی طرح پیا جاتا ہے۔ (ہم نے بھی عید کے دن شراب کو حلال سمجھ لیا ہے)۔

لیکن کرسمس کا آغاز کس طرح ہوا؟ اس کے پیچھے کیا کہانی ہے؟ یہ ایک دلچسپ اور علمی موضوع ہے اور مذاہب عالم کا مطالعہ کرنے والوں کو اس سے ضرور واقف ہونا چاہئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد کم از کم تین سو سالوں تک عیسائیوں میں یہ تہوار نہیں منایا جاتا تھا، کہا جاتا ہے کہ یہ روم کا بادشاہ کونسٹنٹائن تھا، جس نے اپنے دور میں اس تہوار کو ایجاد کیا، اس وقت تک تمام رومی سلطنت میں ستارہ پرستی، سورج پرستی اور بت پرستی عام تھی، یہی ان لوگوں کا مذہب تھا، اس لئے شاہ کونسٹنٹائن نے اپنی سلطنت کے بت پرست عوام کو عیسائیت کے قریب لانے کی خاطر کرسمس یا عید میلاد المسیح کو ایجاد کیا، سورج پرست اقوام میں (اور اس وقت دنیا کی بیشتر قومیں سورج و ستارہ پرست ہوا کرتی تھیں)، سال میں ایک مرتبہ سورج دیوتا کا دن ضرور منایا جاتا تھا اور یہ ٹھیک ۲۵ر دسمبر ہی کا دن ہوتا تھا۔ سورج پرست قوموں کا خیال تھا کہ اس تاریخ کو سورج دیوتا نے دنیا میں جنم لیا تھا، اس تہوار کو اہل بابل، اہل عرب اور اہل ایران کے سورج دیوتا کا نام ”متھرا“ تھا۔ شاہ کونسٹنٹائن اور اس دور کے اہل کلیسا نے طے کیا کہ بت پرستوں کے تہوار کے مقابلے میں عیسائیوں کا بھی ایک تہوار ہونا چاہئے۔ لہٰذا انہوں نے سورج دیوتا کی پیدائش کو حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے ساتھ منسوب کردیا تاکہ بت پرست جشن بھی مناتے رہیں اور ان کا رخ دیوتا سے ہٹ کر حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے ساتھ منسوب کردیا تاکہ بت پرست جشن بھی مناتے رہیں اور ان کا رخ دیوتا سے ہٹ کر حضرت عیسیٰ کی جانب ہوجائے۔ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ کی تاریخ پیدائش کے لحاظ سے کوئی ذکر موجود نہیں ہے، اس لئے اس تاریخ کو فی الواقع مذہبی ماننا حماقت ہے۔ پہلے یہ دن عیسائیوں میں ۶ر جنوری کو منایا جاتا تھا جب کہ حضرت عیسیٰ کو بپتسمہ دیا گیا یعنی انہیں (BAPTISE) کیا گیا تھا، بعد میں پادریوں نے اسے بدل کر ۲۵ر دسمبر کردیا۔ ممتاز سائنس داں جیمس جارج فریزر (Frazer) نے لکھا ہے کہ چرچ نے ۲۵ر دسمبر کو کرسمس منانے کا فیصلہ رومی مشرکوں کو عیسائیت میں داخل کرنے کے لئے کیا تھا، درحقیقت عیسائیت کے بیشتر عقائد کا پس منظر مشرکانہ ہے، جس کا آغاز سینٹ پال نے کیا تھا۔ یہودی نژاد اس شخص نے بعد میں (منافقت کے طور پر؟) عیسائیت قبول کرکے اسے زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کے لئے اس میں بے شمار مشرکانہ اور بت پرستانہ عقائد داخل کردیئے جب کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات کو مذہب سے بالکل بے دخل کردیا، نہ جانے اس نے یہ کام دانستہ طور پر یہودی سازش کے طور پر کیا تھا، کیونکہ اس زمانے میں عیسائی یہودیوں کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے تھے یا اس نے یہ تمام تبدیلیاں جوش عقیدت میں کی تھیں؟ اسلام میں بھی بے شمار تبدیلیاں محض جوش عقیدت کی بنیاد پر کی گئی ہیں۔ بقول ایک اہم عیسائی مفکر کے کہ ”مشرکانہ مذہب میں عیسائی عقائد داخل کرنے کی بجائے خود عیسائیت میں مشرکانہ عقائد کو داخل کردیا گیا۔“

اصل عیسائی تعلیمات کو برباد کرنے میں دو اہم شخصیتوں کا کردار بہت اہم ہے۔ اول سینٹ پال جس نے اصل عقائد مسخ کرکے بالکل نئے عقائد عیسائیت میں داخل کردیئے، یعنی کفارہ کا عقیدہ، تثلیث کا نظریہ، خدا کے بیٹے کا نظریہ، ختنے کی سنت کا خاتمہ، ایسٹر کی ایجاد اور مصلوب کئے جانے کا عقیدہ، دوسری شخصیت رومی شہنشاہ کونسٹنٹائن کی ہے، جس نے عیسائیت قبول کرلی تھی جس کے باعث

عیسائیت کو بے حد فروغ حاصل ہوا، اس کے دور تک کئی ایسی انجیلیں موجود تھیں اور ان کا باقاعدہ مطالعہ کیا جاتا تھا، جس میں بڑی حد تک صحیح مواد موجود تھا، انہی میں سے ایک انجیل برناباس تھی لیکن اس بادشاہ نے بت پرستانہ عقائد کی خاطر چار ملاوٹ شدہ انجیلیں بزورِ حکم قابل مطالعہ قرار دیں اور باقی تمام انجیلوں کو جلا دینے کا حکم دیا۔ اس طرح دنیا سے صحیح عقائد والی انجیلیں غائب ہوگئیں، البتہ گزشتہ چار پانچ سو سالوں سے انجیل برناباس برآمد ہوگئی ہے جو آج بھی مارکیٹوں میں مل جاتی ہے۔

کرسمس میں جو درخت لگایا اور سجایا جاتا ہے، اس کے بارے میں اگرچہ کوئی مستند روایت تو موجود نہیں، البتہ ضعیف عیسائی روایات کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ یہ وہی درخت ہے، جس کے قریب جانے کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو منع کیا تھا۔

اسی طرح کرسمس میں علامتی طور پر ستارے بھی ٹانکے جاتے ہیں، اس کے بارے میں عیسائی روایات بتاتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر آسمان میں ایک روشن ستارہ نمودار ہوا تھا، کرسمس کا آج کا ستارہ اسی ستارے کی علامت کے طور پر بنایا اور سجایا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک عیسائیت بڑی حد تک اپنی اصل شکل میں موجود تھی جس کا ثبوت ورقہ بن نوفل ہیں، جنہوں نے نبوت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی اپنی صحیفوں کی بنیاد پر پیشگوئی کردی تھی، نیز ہمیں سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے واقعہ سے بھی عیسائی درست تعلیمات کی موجودگی کا پتہ لگتا ہے جبکہ انہیں تین یا چار پادریوں نے مدینے میں ایک خاتم النبیین کے آنے کی پیشگوئی کی تھی، بدقسمتی سے آج کے دور میں اس وقت تک کی موجود صحیح عیسائی تعلیمات اب عیسائی دنیا میں کہیں موجود نہیں ہیں۔

کرسمس یا عید میلاد مسیح دراصل ایک غیر مستند تہوار اور بعد کے دور کی ایجاد ہے، جس کا اصل عیسوی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں، اگر ایک طرف عیسائی اپنے پیغمبر کا یوم پیدائش دھوم دھڑکے اور جشن کے ساتھ منائیں اور دوسری جانب یہودیوں کے ساتھی ہوکر ساری دنیا کا خون اپنے لئے حلال کرلیں تو اس کی تعلیم حضرت عیسیٰ نے کب دی تھی؟ جشن ولادت منانا اور الہامی تعلیمات کو مسل دینا، دو متضاد رویے ہیں جس پر عیسائی اور مسلم دونوں حضرات کو غور کرنا چاہیے۔

کرسمس کی حقیقت تاریخ کے آئینے میں

دنیا بھر کے عیسائیوں کے ہاں ۲۵ دسمبر کے روز کرسمس کا تہوار منایا جاتا ہے، پاکستان میں اس دن کو اردو زبان میں ''بڑا دن'' اور پنجابی میں ''وڈا دن'' کہا جاتا ہے، اگرچہ یہ دن نظام شمسی کے لحاظ سے سال بھر کے چھوٹے دنوں میں سے ایک ہے لیکن اسے ''بڑا'' دن کہا جاتا ہے دنیا بھر کے عیسائی اس دن کرسمس کی چھٹی کرتے ہیں اور دیکھا دیکھی مسلمان بھی۔

کرسمس کی تاریخ:

کرسمس، متعدد روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے صدیوں پہلے سے منائی جاتی رہی ہے۔ کرسمس کے ۱۲ دن آگ روشن کی جاتی تھی، جلانے کی لکڑی تختے میں دینے کا رواج عام تھا، ترانہ کرسمس بھی گھر گھر گایا جاتا تھا، مقدس دن کے میلوں اور چرچ کے جلوسوں کو ابتدائی طور پر میسوپوٹامیز سے جوڑا جاسکتا ہے جو کرسمس مناتے تھے۔ میسوپوٹامیز کئی خداؤں پر یقین رکھتے تھے، ان کا ایک چیف گارڈ یعنی سردار خدا ہوتا تھا، جو مدارک کہلاتا تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ مدارک بدنظمی کے عفریت سے جنگ کرتا ہے اور اس جدوجہد میں مدارک کا ساتھ دینے کے لئے میسوپوٹامیز نئے سال کے تقریبات کا انعقاد ہر سال موسم سرما میں کرتے تھے، زگ موک نامی یہ تہوار جو نئے سال کی آمد کی خوشی میں ۱۲ دنوں تک منایا جاتا تھا، اب کرسمس کے نام سے منایا جاتا ہے۔ اس وقت لوگوں کا عقیدہ تھا کہ میسوپوٹامیز بادشاہ مدارک کی خانقاہ کی طرف واپس آکر اللہ پر اپنے یقین کی قسم اٹھائیں گے۔ روایت کے مطابق سال کے اختتام پر بادشاہ مرتا ہے اور جنگ میں شریک ہونے کے لئے مردوک کا ساتھ دیتا ہے، اپنے بادشاہ کے مرنے کے بعد میسوپوٹامیز ''ماک'' بادشاہ کا تصور استعمال کرتے تھے، ایک مجرم کا انتخاب کیا جاتا اور اسے شاہی لباس پہنا کر ایک حقیقی بادشاہ جیسی عزت اور احترام دیا جاتا تھا، تہوار کے اختتام پر ''ماک'' بادشاہ سے شاہی لباس اتار کر اسے قتل کرتے تھے۔ رومن اپنے خدا ''سیٹرن'' کا جشن مناتے تھے، ان کا تہوار ریشوریلیا کہلاتا اور یہ دسمبر کے وسط سے شروع ہوکر یکم جنوری تک جاری رہتا، مختلف بہروپ بدل کر گلیوں میں گھومنا، دوستوں سے ملاقات اور تحائف کے تبادلے اس تہوار میں شامل ہوتے تھے۔ رومن اپنے گھروں کو پھولوں اور سبز درختوں سے سجاتے جن میں موم بتیاں روشن کی جاتی تھیں، آقا و غلام اپنی جگہ تبدیل کرتے تھے، جو ریشوریلیا رومیوں کے لئے ایک تفریح ہوا کرتی تھی، لیکن عیسائی اس تہوار کو تفریح سمجھ کر نہیں مناتے تھے، جیسے جیسے عیسائیت پھیلتی گئی ان کی تقریبات میں بھی رومیوں کی طرح رسمیں فروغ پانے لگیں، پہلے تو چرچ نے اس قسم کی تقریبات کو منانے سے منع کیا لیکن چرچ کی ہدایت

لا حاصل رہی اور بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ تہوار خدا کے بیٹے کے تہوار کی حیثیت سے منائے جائیں گے۔ ۲۵ ردسمبر کی تاریخ نہ صرف رومیوں کے لئے مقدس تھی بلکہ فارسیوں کے لئے بھی جس کا مذہب اس وقت عیسائیت کا اہم حریف تھا، آخر کار چرچ نے رومیوں کے جشن، روشنیوں اور تحائف کو تقریبات کرسمس میں شامل کرلیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو عیسائی خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں کی تاریخ پیدائش صحیح طور پر کسی کو بھی نہیں معلوم، روایات سے یہ بات اخذ کی جاتی ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدائش کا جشن ۹۸ عیسوی سے منایا جاتا ہے۔ ۱۳۷ عیسوی میں روم کے بشپ نے حکم دیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سالگرہ کو بطور مذہبی رسم منایا جائے گا۔ ۳۵۰ میں ایک بشپ نے ۲۵ ردسمبر کو کرسمس کے لئے منتخب کیا، دسمبر کے آغاز کے ساتھ ہی مذہبی رسومات شروع کردی جاتیں، چرچ میں خصوصی عبادتیں ہوتیں، بعض گرجا گھروں میں کرسمس کے ترانے گائے جاتے۔

جرمن میں کرسمس:

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کرسمس Cristes اور Maesse کا مرکب ہے۔ اس تہوار کا آغاز روم میں ۳۳۶ عیسوی میں ہوا، ان دنوں گرجا گھر اور تخت میں بڑا ''اتفاق'' ہوتا تھا۔ بادشاہوں کو اپنے غیر قانونی، غیر اخلاقی اور غیر شرعی احکام کی تصدیق کے لئے چرچ کی مدد درکار ہوتی تھی۔ پادری بھی بادشاہ کے ایما پر ایسے ایسے احکام جاری کرتے تھے کہ آج کا انسان سنے تو اس کے لئے ہنسی روکنا مشکل ہوجائے۔ بہرحال کرسمس کے تہوار کو پادریوں نے دربار تک پہنچایا، یا پھر بادشاہوں نے پادریوں کو اس کی سرپرستی کا حکم دیا، تاریخ اس کے بارے میں تو خاموش ہے لیکن یہ بات طے ہے یہ تہوار دو تین برسوں ہی میں سرکاری سرپرستی میں چلا گیا۔ روم میں اس روز سرکاری تعطیل ہوتی، شاہی خزانے سے ہزاروں موم بتیاں خریدی جاتیں اور یہ موم بتیاں پھر تمام گرجا گھروں میں جلادی جاتیں، گو اس وقت تک یہ طے نہیں ہوا تھا کہ واقعی حضرت عیسیٰ ۲۵ ردسمبر ہی کو پیدا ہوئے تھے، لیکن اس اختلاف کے باوجود رومی کرسمس کا تہوار ۲۵ ردسمبر کو مناتے تھے۔ روم کے بعد جرمنی دوسرا علاقہ تھا جس میں کرسمس منائی جانے لگی، وہاں بھی اس تہوار کو سرکاری تقریب کا درجہ حاصل ہوگیا، اس زمانے میں جرمنی کسی خاص ملک یا سلطنت کا نام نہیں تھا، یہ رومی سلطنت کا ایک مفتوحہ علاقہ تھا، جس میں چھوٹے چھوٹے سرداروں کی حکومت تھی، ان لوگوں کے رہن سہن میں رومی ثقافت کی جھلک نظر آتی تھی، یہ سردار ابتداً کرسمس کا تہوار منانے روم جاتے تھے، واپس آکر جب اپنے درباریوں کو واقعات سناتے تو وہ حیرت کا اظہار کرتے، بعدازاں کوئی ایک جرمن سردار بیماری کے باعث کسی کرسمس پر روم نہ جاسکا تو اس نے مقامی سطح پر کرسمس کا اہتمام کیا، اس دن کے بعد تمام جرمن قبائل اپنے اپنے قبیلے میں کرسمس منانے لگے، یوں روم کے بعد اس خطے میں بھی کرسمس منائی جانے لگی، جسے آج کی دنیا جرمنی کا نام دیتی ہے۔

کاروبار کا آغاز:

تاریخ بتاتی ہے کہ چوتھی صدی عیسوی تک دنیا میں کرسمس کا نام و نشان نہیں تھا، عیسائی اتوار کے دن گرجا گھروں میں عبادت تو کرتے تھے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت منانے کا تصور بھی مسیحی مذہب میں پیدا نہیں ہوا تھا، چوتھی صدی کے شروع میں دنیا میں ایک عجیب واقعہ ہوا، روم شہر میں مشعلیں بنانے والے ایک کاریگر نے ایک ایسی مشعل بنائی جس میں تیل نہیں ڈالنا پڑتا تھا، اس مشعل کو سیدھا کھڑا کرکے اس کے فیتے کو آگ لگادی جاتی اور یہ گھنٹوں جلتی رہتی تھی، یہ مشعل ایک دلچسپ ایجاد تھی، دیکھتے ہی دیکھتے مشعل ساز نوجوان امیر ہوگیا، اس کی بنائی مشعلیں دربار میں جلنے لگیں، یہ مشعل آگے چل کر کینڈل یا موم بتی کہلائی، اس زمانے میں موم بتیاں صرف شاہی خاندان تک محدود تھیں، عام لوگ انہیں خرید سکتے تھے اور نہ ہی روز جلا سکتے تھے لیکن موم بتی ایجاد کرنے والا نوجوان اس کی وسیع فروخت کا خواہاں تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کی ایجاد دنیا بھر میں خوب پھولے پھلے، لوگ اسے خریدیں بھی اور جلائیں بھی، اس کے حلقہ احباب میں روم شہر کا ایک پادری بھی شامل تھا، ایک دن اس نوجوان نے اپنے پادری دوست کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا، پادری ایک سمجھدار اور زندہ دل شخص تھا، اس نے اسے سمجھایا: ''دنیا میں جو چیز مذہب کے ساتھ وابستہ ہوجائے اسے دوام مل جاتا ہے، تم کسی طریقے سے گرجا گھر سے موم بتی کا رشتہ قائم کردو، پھر دیکھو تمہاری ایجاد کس طرح دنیا میں پھیلتی ہے۔'' آئیڈیا اچھا تھا، نوجوان چند روز تک سوچتا رہا، ایک روز پادری اس کی دکان پر آیا تو نوجوان نے اس کے کان پر جھک کر سرگوشی کی، پادری کی آنکھوں میں چمک آگئی، وہ اتوار کا دن اور ۲۵ ردسمبر تھا، اس روز پادری نے ''سروس'' کے دوران ایک عجیب و غریب اعلان کیا، اس نے حاضرین سے درخواست کی: ''آپ تمام خواتین و حضرات سورج ڈوبنے کے بعد دوبارہ چرچ آئیں، چرچ میں ایسے خصوصی طریقے سے دعا مانگی جائے گی جو مکمل ہونے سے پہلے ہی قبول ہوجائے گی۔'' لوگوں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، لیکن قصبے میں کیونکہ پادری کو عزت کی نگاہ سے دیکھا

جاتا تھا، چنانچہ لوگ شام کو چرچ میں جمع ہوگئے، جب خوب اندھیرا پھیل گیا تو پادری نے تمام حاضرین کے سامنے ایک موم بتی جلائی اور لوگوں سے آنکھیں بند کرکے دعا کرنے کی درخواست کی، یہ دعا گھنٹہ بھر چلتی رہی، دعا کے بعد جب لوگوں کی واپسی شروع ہوئی تو ان کے ہونٹوں پر اس نئے طریقے کی دعا کی قبولیت کا چرچا تھا، یہ ۳۳۶ء کا ۲۵ دسمبر تھا۔

۲۵ دسمبر کو کرسمس کیسے منایا جانے لگا:

محترم نادر عقیل انصاری کی تحقیق کے مطابق تیسری صدی عیسوی کے عیسائی ماہرین تقویم کے نزدیک دنیا کی تخلیق مارچ کی ۲۳ تاریخ کو ہوئی تھی، چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش عیسائیوں کے لئے تخلیق عالم سے کم اہم واقعہ نہیں ہے، لہٰذا ان کا قیاس تھا کہ ان کی تاریخ پیدائش بھی ۲۳ مارچ ہی ہونی چاہئے، گو تاریخ سے یقینی طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ تہوار پہلی مرتبہ کس سن میں منایا گیا، لیکن ۳۳۵ء میں روم میں اس تہوار کا سراغ ملتا ہے اور یہ اس سلسلے کی قدیم ترین تاریخی شہادت ہے، معلوم ہوتا ہے کہ رومی حکمران کونسٹائن نے کرسمس کے تہوار کی بنیاد رکھی۔ اصل میں روم کے عیسائی علما نے تجویز کیا کہ مقامی بت پرستوں کے مقابلے میں عیسائیوں کی شناخت کے لئے بھی ایک تہوار ہونا چاہئے، چونکہ روم کے مشرکین ۶ رجنوری کو اپنے ایک دیوتا کے احترام میں تہوار مناتے تھے، لہٰذا عیسائیوں نے بھی یہی تاریخ اپنے مقدس دن کے لئے منتخب کی۔ ابتدا میں مشرق کی تمام عیسائی دنیا کرسمس کا تہوار ۶ رجنوری کو مناتی تھی، لیکن یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بجائے ان کے بپتسمہ دیئے جانے کی خوشی میں منایا جاتا تھا، البتہ یروشلم میں ۶ رجنوری کا تہوار ان کی ولادت کی یاد دلانے ہی کے لئے منایا جاتا تھا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اکثر عیسائی مکاتب فکر نے یہ تہوار ۲۵ دسمبر کو منانے پر اتفاق کرلیا، اس تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ ۲۵ دسمبر روم میں سورج دیوتا کے ظہور کا دن تصور کیا جاتا تھا، ان کا مشاہدہ تھا کہ ۲۵ دسمبر کے بعد دن طویل ہونا شروع ہوجاتے ہیں اور سورج کا ظہور نمایاں سے نمایاں تر ہوجاتا ہے، نیز یہ سال کی ابتدا کی نوید بھی دیتا ہے، قدیم مصری بھی اس تاریخ کو سورج کی پیدائش کے حوالے سے ایک نوزائیدہ بچے کی تصویر یا بت کی نمائش کرکے مناتے تھے، شروع کے زمانے میں عیسائی متکلمین کے ذہن میں اس معاملے میں کوئی اشتباہ نہیں تھا کہ ۲۵ دسمبر کی تاریخ کا انتخاب مشرکین (Pagans) سے متاثر ہوکر کیا گیا ہے اور اسی لئے آگسٹائن (Saint Augustine) لوگوں کو سمجھاتا نظر آتا ہے کہ ۲۵ دسمبر کو سورج دیوتا کے بجائے اس ذات کی شان میں منایا جانا چاہئے جس نے سورج کو پیدا کیا۔ مشہور ماہر علم البشریات سر جیمس فریزر (Frazer Sir James George) نے اپنی کتاب ''شاخ زریں'' (The Golde Gough) میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چرچ نے ۲۵ دسمبر کو کرسمس منانے کا فیصلہ اس لئے کیا تاکہ وہ مشرک جو نئے نئے عیسائی ہوئے تھے ان کی مذہبی عقیدت کو سورج دیوتا سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کی طرف منتقل کیا جاسکے اور تبدیلی مذہب کی راہ ہموار کی جاسکے۔

بہرحال ان وجوہ کی بنا پر روم اور مصر میں کرسمس ۲۵ دسمبر کو منایا جانے لگا۔ یروشلم کے مذہبی حلقوں نے کافی عرصے تک ۶ رجنوری کی تاریخ پر اصرار کیا لیکن بالآخر پانچویں صدی عیسوی میں اکثریت کی رائے اختیار کرلی، البتہ آرمینیائی چرچ نے پرانا مسلک اختیار کئے رکھا اور وہاں آج بھی عید میلاد مسیح یعنی کرسمس ۶ رجنوری ہی کو منائی جاتی ہے۔

کرسمس کی رسمیں:

چونکہ کرسمس کا خمیر یورپی مشرکین کے مذہبی تہواروں سے اٹھا تھا، اس لئے عیسائیوں نے اس میں بہت سی قدیم رسومات کو معمولی تغیر کے ساتھ اختیار کرلیا، ایک قدیم رومی تہوار سیٹرنیلا (Saturnala) ۱۷ دسمبر کو منایا جاتا تھا۔ اس موقع پر خوشی منانے اور تحفے تحائف کے تبادلے کی روایت کو کرسمس کی رسم کے طور پر اختیار کرلیا گیا۔ ۲۵ دسمبر ایرانی دیوتا متھرا کا یوم پیدائش تھا۔ رومیوں کا سال نو یعنی یکم جنوری بھی گھروں پر چراغاں اور مستحقین میں خیرات تقسیم کرکے منایا جاتا تھا۔ ان کو بھی عیسائی تہوار کا حصہ بنالیا گیا، کرسمس کے درخت (Christmas Tree) اور کیک وغیرہ کی روایت جرمنی کے قدیم قبائل سے مستعار لی گئی، سدابہار درختوں کی شاخوں سے گھروں کو مزین کرنا اور آگ روشن کرنا، حیات جاوداں اور زندگی کی حرارت کی علامت کے طور پر موسم سرما کے تمام یورپی تہواروں کا حصہ رہے ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں نے بھی انہیں رفتہ رفتہ کرسمس کی مذہبی رسومات کا حصہ بنالیا، تاہم کرسمس کے درخت کے بارے میں بعض عیسائی علما کا خیال ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کی گم گشتہ جنت کے اس درخت کی علامت ہے، جس کے قریب جانے سے انہیں روکا گیا تھا۔ اسی طرح پہلا کرسمس کارڈ ۱۸۴۳ء میں برطانیہ میں ایک شخص (J.C. Horslely) نے اپنے دوست سر ہنری (Sir Henry Cole) کے لئے بنایا، اس کے بعد سے اپنے اعزہ واقارب کو کرسمس کارڈ بھیجنا عیسائی روایت بن گیا اور اب ہر سال کروڑوں ڈالر کے کارڈ بھیجے جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں عید کارڈ بھیجنے کا رواج بھی اسی رسم کی پیروی کا نتیجہ ہے۔

(جاری ہے)

خبریں بر ایک نظر

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغین کا سہ ماہی اجلاس

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغین کا سہ ماہی اجلاس مرکزی ناظم اعلیٰ مولانا عزیز الرحمن جالندھری کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں مولانا اللہ وسایا، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی، مولانا قاضی احسان احمد کراچی، مولانا محمد نذر عثمانی حیدرآباد، مولانا محمد علی صدیقی میر پور خاص، مولانا غلام مصطفی چناب نگر، مولانا عبدالرزاق مجاہد اوکاڑہ، مولانا عبدالحکیم نعمانی چیچہ وطنی، مولانا محمد طیب فاروقی اسلام آباد، مولانا فقیر اللہ اختر سیالکوٹ، مولانا محمد اسحاق ساقی بہاولپور، مولانا مفتی محمد راشد مدنی رحیم یار خان، مولانا محمد حسین ناصر سکھر، مولانا تجمل حسین نواب شاہ، مولانا عبدالستار حیدری لیہ، مولانا غلام حسین جھنگ، مولانا عبدالنعیم شیخوپورہ، قاضی عبدالخالق مظفر گڑھ، مولانا عبدالرشید سیال فیصل آباد، مولانا عبدالستار گورمانی خانیوال، مولانا محمد عارف شامی گوجرانوالہ، مولانا محمد اقبال ڈیرہ غازی خان، مولانا خبیب احمد ٹوبہ ٹیک سنگھ، مولانا محمد یونس کوئٹہ، مولانا محمد قاسم سیوطی منڈی بہاؤالدین، مولانا زاہد وسیم راولپنڈی، مولانا محمد یوسف نقشبندی سندھ نے شرکت کی۔

اجلاس میں دیگر جماعتی امور کے علاوہ ننکانہ میں گستاخ رسول آسیہ مسیح کیس کے پس منظر اور اس کے عوامل پر غور وخوض کیا گیا اور کہا گیا کہ ناموس رسالت کے قانون کی حفاظت کے لئے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا اور دینی سطح پر تمام مکاتب فکر کی دینی غیرت کو سلام پیش کیا گیا اور کہا گیا کہ اگر حکومت نے اس دفعہ کو چھیڑنے کی کوشش کی تو تمام مکاتب فکر کے ساتھ مل کر مشترکہ لائحہ عمل کا اعلان کیا جائے گا۔ مبلغین نے عہد کیا کہ عقیدہ ختم نبوت اور ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر پورے ملک میں تحریک پیدا کر دیں گے اور شب وروز اسٹریٹ پاور کو متحرک کر کے حکمرانوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گے۔ علماء ومبلغین ختم نبوت نے کہا کہ سیکولر اور قادیانی لابیاں اس قانون کو ختم کرانے کے لئے عیسائی اقلیت کو قربانی کا بکرا بنانے اور مسلم عیسائی تصادم کی پالیسی اپنا رہی ہیں۔ ان کی ان سازشوں کو ناکام کیا جائے گا۔

نومسلم حضرات اسلام کے داعی اور مبلغ

ایک امریکی پادری کی جانب سے قرآن مجید کو جلانے کی ناپاک کوشش نے امریکیوں میں دین اسلام کی معلومات حاصل کرنے کی رغبت میں مزید اضافہ کر دیا۔ ان خیالات کا اظہار واشنگٹن میں مقیم نومسلم امریکی رابرٹ اسپنسر (اسلامی نام عبدالرحمن) نے گزشتہ ماہ قرآن مجید کے حوالے سے امریکی پادری اور اس کے چند ایک ہمنواؤں کی ناپاک کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے کیا۔ عبدالرحمن کا مزید کہنا ہے کہ جس قدر اسلام، قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی جائے گی اسی قدر اسلام کی جانب رغبت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا، جس کا واضح ثبوت گزشتہ چند سالوں میں امریکا اور مغربی ممالک میں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ غیر مسلم حضرات کا قبول اسلام اور مساجد کی تعمیر ہے، صرف گزشتہ ۱۲ سال میں امریکا میں ۱۲۰۰ نئی مساجد تعمیر کی جا چکی ہیں، یعنی ہر سال ایک سو مساجد کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کا اہم پہلو یہ ہے کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والا ہر امریکی بذات خود ایک داعی اور مبلغ بنتا جا رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر ماہ ہزاروں امریکی اسلام کی جانب کھنچے چلے آ رہے ہیں۔

تحفظ ناموس رسالت ریلی، لاڑکانہ

لاڑکانہ... جمعیت علماء اسلام صوبہ سندھ کے امیر حضرت مولانا عبدالصمد ہالیجوی مدظلہ نے بتاریخ ۹ نومبر ۲۰۱۰ء بروز جمعرات صبح ۱۰ بجے تھیڑی بائی پاس سے گھنٹہ گھر چوک سکھر تک صوبائی سطح پر ایک عظیم الشان، تاریخ ساز اور فقید المثال ''تحفظ ناموس رسالت ریلی'' منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اس دن جماعت کا کوئی بھی کارکن اس پروگرام میں غیر حاضر نہ رہے، پورے صوبے سے، ہر ضلع سے، ہر تحصیل سے، ہر ٹاؤن سے، ہر شہر سے، ہر بستی سے، ہر قصبہ سے اور ہر یونین کونسل سے جماعت کے کارکن بھرپور ولولے کے ساتھ اس اجتماع میں شرکت کریں۔ کوشش کریں کہ اس دن ہر چھوٹے بڑے، جوان بوڑھے، عالم اور طالب علم، کارکن اور عہدیدار کے سر پر پگڑی اور ہاتھ میں پرچم نبوی ہو، پورے صوبہ سے قافلے تھیڑی بائی پاس پہنچیں اور پھر وہاں سے لوگوں کا یہ سمندر اجتماعی صورت میں گھنٹہ گھر چوک سکھر روانہ ہوگا۔ جمعیت علماء اسلام صوبہ سندھ کے ناظم عمومی ڈاکٹر خالد محمود سومرو نے کہا کہ مجلس عاملہ، مجلس شوریٰ اور مجلس عمومی کے تمام ممبران، سندھ کے تمام اضلاع کے تمام عہدیداران اور تمام تحصیلوں اور ٹاؤنز کے عہدیداران اس ریلی کو کامیاب بنانے کے لئے بھرپور محنت کریں، ساتھیوں کو تیار کریں، قافلوں کا انتظام کریں، جھنڈے بنائیں، بینرز بنائیں، اسٹیکر بنائیں، اشتہار چھپوائیں ۹ نومبر کو واقعی جماعت کی تاریخ کا یادگار دن بنائیں، انشاء اللہ حق کا جھنڈا لہرائے گا، باطل سرنگوں ہوگا، کفر شکست کھائے گا، اسلام کا بول بالا ہوگا، اللہ کی مدد آئے گی اور اللہ کی دھرتی پر اللہ کا نظام نافذ ہوگا۔

احتجاجی مظاہرہ اور تحفظ ناموس رسالت ریلی

کراچی (رپورٹ: سلام اللہ عتیق) ملک پاکستان کو اس وقت مختلف آزمائشوں اور اندرونی و بیرونی سازشوں کا سامنا ہے۔ جن میں سے ایک دین اسلام دشمن عناصر کی کارستانیاں بھی ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ قبل صوبہ پنجاب کے علاقے ننکانہ میں ایک مسیحی ملعونہ خاتون آسیہ مسیح نے محسن عالم، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی ناپاک جسارت کی ہے، جس کے بعد اس ملعونہ کو عدالتی کارروائی کا سامنا کرنا پڑا، سیشن کورٹ کے جج محمد نوید اقبال نے تمام عدالتی مراحل سے گزرنے کے بعد ملعونہ آسیہ کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا۔ فیصلے کے بعد ملک و دین دشمن عناصر خصوصاً قادیانی لابی نے ملعونہ کو غیر قانونی طور پر رہا کرا کے ملک سے باہر بھیجنے کی اور اپنے آباء کے مشن توہین رسالت کے قانون دفعہ ۲۹۵-سی کو تبدیل کرنے کی کوششیں شروع کردی ہیں، جس کے لئے ان عناصر نے ان بے ضمیر و بے حمیت حکمرانوں کو استعمال کرنا شروع کیا ہے، جن کے شب و روز کے احوال سن کر ایک عام شریف النفس انسان بھی اپنے کانوں میں انگلی ڈالنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ ان بے دین و ضمیر فروش حکمرانوں میں گورنر پنجاب سلمان تاثیر بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں، جس سے ہر مسلمان عاشق رسولؐ کے دینی جذبات کو سخت ٹھیس پہنچ رہی ہے۔ ان حالات میں جمعیت طلباء اسلام نے ایک جمہوری اور آئینی حق کا استعمال کرتے ہوئے تحفظ ناموس رسالت کے لئے ایک عظیم الشان اور تاریخ ساز احتجاجی مظاہرہ و ریلی کا اہتمام کیا، جس کے روح رواں جے ٹی آئی کراچی کے جنرل سیکریٹری فخر الدین رازی تھے، ۲۶ نومبر ۲۰۱۰ء بعد نماز جمعہ ریلی کا آغاز جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سے ہوا، جس میں سینکڑوں کارکنان و عاشقان رسول نے شرکت کی۔ بیشتر شرکاء نے پلے کارڈ، بینرز اور جھنڈے اٹھائے رکھے تھے، جس پر گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو برطرف کرنے، آسیہ ملعونہ کو عدالتی حکم کے مطابق سزا دینے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و عقیدت کے اظہار کے جملے درج تھے۔ تمام شرکاء نے پرامن انداز میں کراچی پریس کلب تک پیدل مارچ کیا، دوران مارچ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغ مولانا قاضی احسان احمد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کے تقاضوں پر ایمان افروز خطاب کرتے رہے اور شرکاء پرجوش نعروں کی ساتھ آگے بڑھتے رہے، تقریباً ایک گھنٹہ پیدل چلنے کے بعد کراچی پریس کلب پہنچ کر شرکائے ریلی نے ایک شاندار مظاہرہ کیا۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے جمعیت علماء اسلام کراچی کے راہنما مفتی فیض الحق نے کہا کہ سلمان تاثیر اپنی تاثیر درست کریں اور قادیانی لابی کے آلۂ کار ہونے کی بجائے ایک پکے مسلمان اور سچے عاشق ہونے کی تاثیر دکھائیں۔ مفتی صاحب کے خطاب کے بعد قاضی احسان احمد نے تمام الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا سے کہا کہ یہ صرف ہماری ہی نہیں بلکہ ہر ایک مسلمان کی آواز اور آرزو ہے کہ شاتمہ رسول کو آئین کے مطابق سزا دے کر نشان عبرت بنائیں تاکہ آئندہ کسی بدبخت کو یہ جرأت نہ ہو کہ وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر زبان درازی کرے۔ قاضی احسان احمد کے بیان کے بعد جی ٹی آئی صوبہ سندھ مجلس شوریٰ کے رکن مولانا قاضی منیب الرحمن نے پرجوش انداز میں خطاب کیا اور حکومت وقت سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے مرحوم قائد ذوالفقار علی بھٹو شہید کے حقیقی وارث اور جانشین ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے توہین رسالت کی مرتکب ملعونہ آسیہ کو آئین و قانون کے مطابق سزائے موت دی جائے ورنہ بصورت دیگر جے ٹی آئی کا ہر کارکن آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کی خاطر جان کی بازی لگانے کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر این جی اوز اور غیر ملکی آقاؤں کے دباؤ میں آکر قانون توہین رسالت میں کوئی تبدیلی کرنے کی کوشش کی تو ارباب اقتدار کے ایوانوں کا گھیراؤ کیا جائے گا۔ آخر میں جمعیت طلباء اسلام کراچی سٹی کے راہنما فخر الدین رازی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح ہم بڑوں کے حکم کی تعمیل میں آج تحفظ ناموس رسالت کے لئے اس مظاہرے میں شریک ہیں۔ اسی طرح اگر ہمارے اکابرین نے ہم سے تحفظ ناموس رسالتؐ، تحفظ ناموس صحابہؓ، تحفظ دینی مدارس و مساجد کے حوالے سے کسی بھی قسم کی قربانی طلب کی تو جے ٹی آئی کے کارکن دریغ نہیں کریں گے۔ تمام شرکاء نے ہاتھ بلند کرکے لبیک لبیک، اللّٰھم لبیک کے پرجوش نعرے لگا کر ان کی تائید کی۔ بعد ازاں مفتی فیض الحق کی دعا پر اس شاندار و احتجاجی مظاہرہ و ریلی کا اختتام ہوا۔

اظہار تعزیت

دفتر ختم نبوت کراچی کے دیرینہ کارکن سید کمال شاہ کے بہنوئی حاجی شاہ گزشتہ دنوں اپنے آبائی گاؤں، ترنڈ سوئے خان ضلع رحیم یار خان میں انتقال کرگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم روڈ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے جانبر نہ ہوسکے اور وقت موعود آن پہنچا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے معصوم بچوں کی کفالت فرمائے۔ آمین۔

حضرات علماء کرام کی خدمت میں ضروری گزارش

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم. اما بعد!

بخدمت جناب حضرات علماء کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سے بہتر کون اس بات کو جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کے تحفظ کا مسئلہ مسلمانوں کے ایمان کی جان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سی گستاخی انسان کو دارین کی فلاح سے محروم اور ابدی عذاب وشقاوت کا مستحق بنادیتی ہے۔

حال ہی میں ملکی اخبارات میں ننکانہ کی ملعونہ آسیہ کا کیس بہت شہرت حاصل کرگیا ہے۔ اس مسیحی خاتون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کا ارتکاب کیا۔ پنچائت، پولیس کی انکوائری نے اسے ملزم ثابت کیا، پرچہ درج ہوا، سیشن جج نے کیس کی سماعت کی، گواہان کے بیانات، مقدمہ کے چالان اور خود ملزمہ کے اعتراف کے بعد عدالت نے اسے مجرم قرار دے کر سزا سنائی۔

ہائی کورٹ میں اس فیصلہ کے خلاف مجرمہ نے اپیل دائر کررکھی ہے۔ اس کی سماعت نہیں ہوئی، اگر ہائی کورٹ کا فیصلہ مجرمہ کے خلاف ہوا تو سپریم کورٹ میں اس کے خلاف اپیل کا مرحلہ باقی ہے۔ سپریم کورٹ کا فیصلہ اگر خلاف ہوجائے تو بھی مجرمہ سپریم کورٹ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف نظر ثانی کی درخواست کا حق رکھتی ہے۔ ابھی تمام تر یہ عدالتی طریق کار باقی ہیں۔ ان سب کو نظر انداز کرکے ملعونہ آسیہ کے ہاں جیل میں گورنر پنجاب گئے اور پھر ملک میں آسیہ کو بچانے کی جدوجہد، اس قانون تحفظ ناموس رسالت کو ختم کرنے کا پروپیگنڈا اس زور کے ساتھ شروع ہوگیا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔

ان حالات میں پیپلز پارٹی کی ایک رکن قومی اسمبلی محترمہ شیریں رحمن نے اس قانون کو ختم کرنے یا تبدیل کرنے کا بل قومی اسمبلی میں جمع کرادیا ہے۔

گورنر پنجاب، شیریں رحمن، ملک بھر کی این جی اوز وغیرہ کی کارروائیوں کو امریکی مطالبہ کے تناظر میں دیکھا جائے تو شدید اندیشہ پیدا ہوگیا ہے کہ کسی وقت بھی قانون تحفظ ناموس رسالت کو ختم کرنے کی سازش تکمیل کو پہنچ سکتی ہے۔ اس کے بعد سوائے کف افسوس ملنے کے ہمارے پاس باقی کچھ نہ رہ جائے گا۔

ان حالات میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ خطبہ جمعہ، تحریر وتقریر، اخبارات کے ذریعہ اس قانون کی اہمیت وافادیت اور تحفظ ناموس رسالت کی مسلمانوں کے ہاں حساسیت کے لئے رائے عامہ کو بیدار کرنے میں اپنا فرض ادا کریں، اپنے حلقہ کے قومی اسمبلی کے ممبران کو قائل کریں کہ اسمبلی میں بھی اس سازش کو ناکام بنائیں۔ امید ہے کہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو پیغمبر علیہ السلام کی عزت وناموس کے تحفظ کے لئے صرف کرکے ممنون فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزا۔

والسلام

حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ
امیر مرکزیہ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ
نائب امیر مرکزیہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ